انارکلی
ظفر سنبھلی

مثنوی
ظفر سنبھلی (بی۔اے) سکریٹری انجمن اشاعت اردو۔ سنبھل
رعنا لیتھو پریس لال مسجد روڈ مرادآباد۔ فون ۸۳۱

تعارف

نامِ مصنف .... ظفر اللہ خاں

تخلص .... ظفر سنبھلی

تاریخ پیدائش .... ۸ر جولائی ۱۹۴۴ء

مقام .... محلہ میاں سرائے سنبھل
ضلع مراد آباد

تعلیم .... بی، اے (ڈپلوما الیکٹریشن)

شرفِ تلمذ .... جناب اظہر احمد اظہر کمالی بدایونی

جلد اوّل ـــــــــ ایک ہزار (۱۰۰۰)

سالِ تصنیف ـــــــــ فروری۔ مارچ سنہ ۱۹۷۹ء

سالِ اشاعت ـــــــــ سنہ ۱۹۸۴ء

کتابت ـــــــــ شفقت اللہ صدیقی

طباعت ـــــــــ رعنا لیتھو پریس لال مسجد روڈ مرادآباد

قیمت (علاوہ محصول ڈاک) ـــــــــ دس روپے ۱۰

مرتبہ ـــــــــ اعجاز وارثی

ـــ ملنے کا پتہ ـــ

ظفر سنبھلی (بی۔ اے) محلہ کوٹ غربی سنبھل
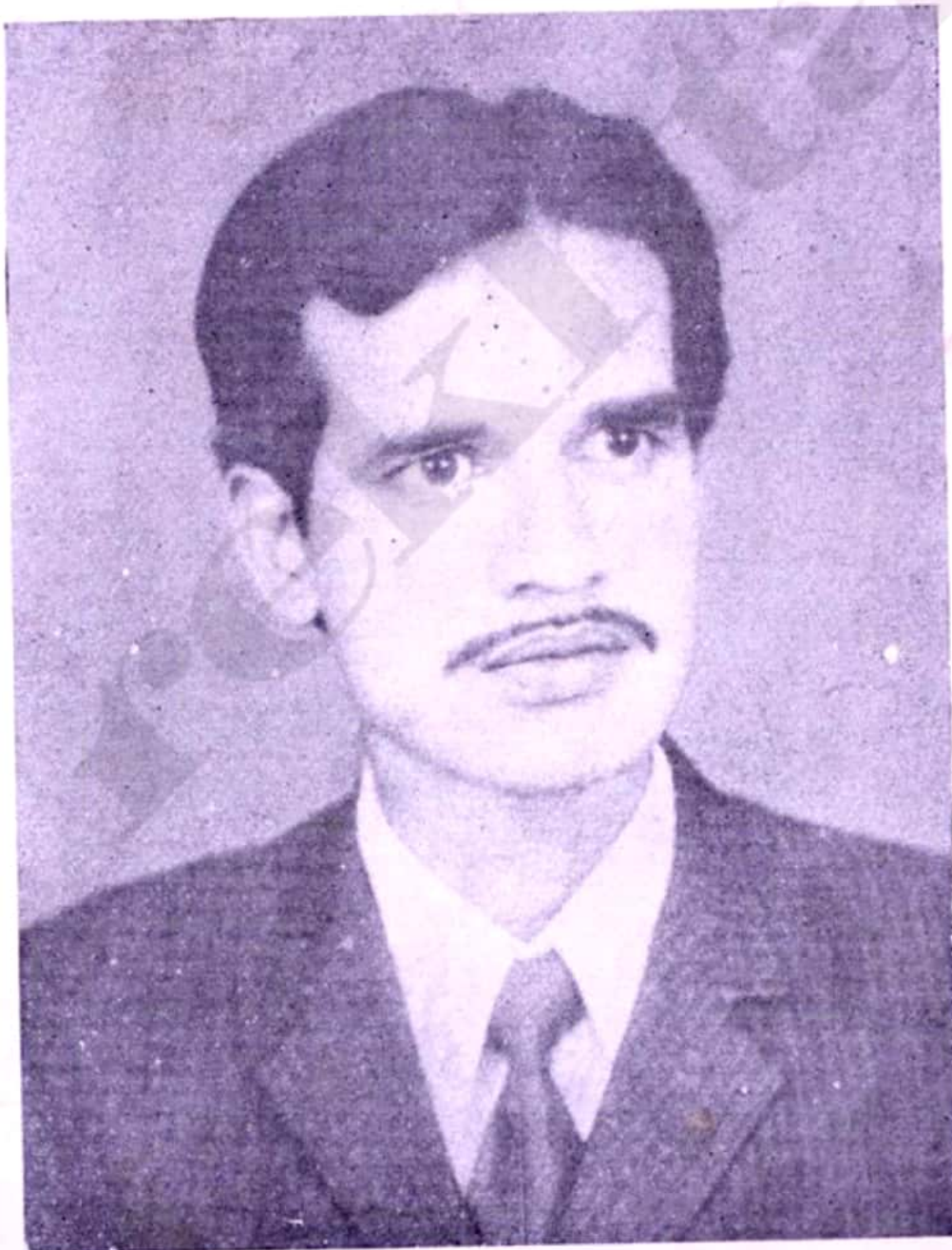
Zafar Sambhali
B. A.

مثنوی انارکلی کے اہم کردار...

۱۔ شہنشاہ اکبر
۲۔ مہارانی جودھا بائی
۳۔ شہزادہ سلیم
۴۔ نادرہ (انارکلی) شہزادہ سلیم کی محبوبہ اور شہنشاہ اکبر کی ایک کنیز
۵۔ دل آرام (انارکلی کی رقیبہ اور شہنشاہ اکبر کی منھ چڑھی کنیز
۶۔ بختیار۔ (شہزادہ سلیم کا ہمدرد اور ہمراز دوست)
۷۔ ثریا (انارکلی کی چھوٹی بہن)
۸۔ داروغۂ زندان

اِنتساب

اُن ناکام اہلِ عشق کے نام
جو زندگی کی اذیت ناکی، ستم شعاری، سنگینی اور سنگلاخی کے باوجود
ثابت قدم رہے۔ اور جان دے کر

زندۂ جاوید ہو گئے

کم نہیں یہ بھی عشق کا احساں
زندہ رہتا ہے مر کے بھی انساں
اہلِ دل اس کی قدر کرتے ہیں!
اس کی عظمت پہ لوگ مرتے ہیں
عشقِ شیریں میں مر گیا فرہاد
عشقِ لیلےٰ میں "قیس" تھا برباد
"ہیر" رانجھا بنا رہی دلگیر
بن گئی دُنیا پاؤں کی زنجیر
قِصّہ ہے سوہنی کا درد بھرا
عِشق دریا میں جس کو لے ڈوبا
عِشق میں مر گئی جہاں آرا
جس کو مرزا کے عِشق نے مارا
باعثِ عشق سوئے دار گئی
عِشق میں مبتلا "انارکلی"

عِشق کے اَن گنت فسانے ہیں
عِشق کے سیکڑوں زمانے ہیں

(اشعار مثنوی)

بِنا کردند خوش رسمے بہ خون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

مثنوی انارکلی ادب اور تاریخ کے آئینہ میں

اردو نثر کو نظم میں تبدیل کرنیکا آغاز کس زمانے میں ہوا۔ اس بارے میں کوئی قطعی بات نہیں کہی جاسکتی۔ کیونکہ اردو مخطوطات و مطبوعات کی فہرست ابھی تک مرتب نہیں ہوسکی ہے۔ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اردو کی ابتداء ہوتے ہی نثر کو نظم میں تبدیل کرنیکا سلسلہ شروع ہو گیا ہوگا۔ اسکی ابتداء مذہبی عقائد کی تعلیم کے لیئے کی گئی ہوگی۔ اردو کی قدیم کتابوں میں مثنوی "کدم راؤ پدم راؤ" کو اوّلیت حاصل ہے۔ جو کسی ایسی تصنیف سے ماخوذ معلوم ہوتی ہے جو سنسکرت میں لکھی گئی ہو۔ اسمیں پند نامہ عطار وکے طور پر حیوانِ مطلق کے گفتگو کرنے اور حیوانِ ناطق کی طرح حرکات وسکنات عمل میں لانے کی مثال ملتی ہے۔ اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ حضرتِ بندہ نواز گیسو دراز متوفی ۸۲۵ھ اردو کے پہلے مصنّف تھے تو ان کی اردو کی تصنیفات شکار نامہ وغیرہ میں سے کسی ایک کتاب کو نثر سے نظم میں تبدیل کرنے کی مثال میں پیش کیا جاسکتا ہے۔

اردو میں نثر کو نظم میں تبدیل کرنے کے سوا تبدیلیِ اصناف کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ نظم کو نظم ہی میں تبدیل کیا جائے۔ اور اس کی دو شکلیں ہوسکتی ہیں اوّل یہ کہ کلام کو کسی اور زبان سے اردو میں تبدیل کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اردو نظم کو اردو نظم میں ہی بدلا جائے۔ دوسری زبانوں سے اردو میں تبدیل کرنے کی سیکڑوں کیا ہزاروں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اردو ڈرامے کو اردو نظم میں ڈھالنے کی مثالیں شاذونادر دستیاب ہوتی ہیں۔ موجودہ دور میں اس کی قابلِ قدر مثال "انارکلی کا ڈرامہ" ہے۔ جسے ظفر سنبھلی نے نظم اردو کی ایک متداول صنفِ

مثنوی کے پیرائے میں نظم کرکے ایک اچھی مثال پیش کی ہے۔

"انارکلی" کے واقعہ کی تاریخی حیثیت خواہ کچھ بھی ہو مگر سلاطین مغلیہ کے شاہزادہ صاحب تخت و تاج حضرات میں سے کسی کے عہدِ سلطنت کا کوئی واقعہ نظم کی صورت میں ابھی تک نظر سے نہیں گزرا۔ صرف انارکلی کی داستان کو شہرتِ تام حاصل ہے جس پر تاریخ کے صفحات گواہ ہیں۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ اسے ڈرامے کا رنگ دے کر عوام الناس کے سامنے پیش کیا گیا۔

زیرِ نظر مثنوی کے لائق مصنف مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے انارکلی کے ڈرامے کو مثنوی کی شکل میں پیش کرکے ایک اچھی مثال پیش کی ہے۔ امید ہے کہ منظوماتِ اردو سے دلچسپی رکھنے والے اس کی قرار واقعی قدر کریں گے۔

ظفر سنبھلی محلہ میاں سرائے سنبھل کے ایک باذوق اور نوعمر شاعر ہیں۔ انھیں ادب سے لگاؤ ورثے میں ملا ہے۔ قصبہ سنبھل فارسی اور اردو کی خدمات کے لحاظ سے اپنا مخصوص مقام رکھتا ہے۔ یہاں کے دبستانِ نثر و نظم کی حیثیت دلی اور لکھنؤ کے بین بین ہے۔ سنبھل کے علماء و فضلا نے اردو کے دبستانوں کے قیام میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ظفر سنبھلی کی یہ کاوش زبان و بیان کے لحاظ سے خاصی کامیاب ہے۔ اور ان کے روشن مستقبل کا پیش خیمہ ہے۔

شبیر علی کاظمی سنبھلی
شریک معتمد ۷/۱۲/۸۱
انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی

3/87/A گلشن اقبال۔ کراچی

"انارکلی منظوم" پر ایک نظر

یو۔پی کے قدیم مردم خیز خطے، سنبھل ضلع مرادآباد، کو اس گئے گزرے زمانے میں بھی یہ شرف اور خصوصیت حاصل ہے کہ اس کے فرزند، ہر میدان میں پیش پیش رہنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ وہ سیکڑوں برس سے علم و فنون، مذہب و تصوّف، سیاست و حکومت کا مرکز رہا۔ اور اب بھی کسی نہ کسی حد تک، اس کی یہ حیثیت قائم ہے تعلیم کی کمی کے باوجود اس کی آغوش میں اب بھی لالہ و گل، پروان چڑھتے ہیں اور دنیائے ادب کو، اپنی خوشبو و رنگت سے مست و بے خود بناتے ہیں۔ ہاں اب بھی شمع سخن کے پروانوں کی بہتات ہے، جن کے دم سے "بزم سخن" کی رونق قائم رہتی ہے۔

نوجوان شعراء کی صف میں ظفر سنبھلی نے نمایاں مقام حاصل کر لیا ہے۔ اِن کو گیسوئے اردو سنوارنے، اور عروسِ سخن کو آراستہ کرنیکا سلیقہ آتا ہے۔ ان کا دل و دماغ اور مزاج شاعرانہ ہے۔ طبیعت کی موزونی، الفاظ کو بڑی خوبی کے ساتھ، شعر کے سانچے میں ڈھال لیتی ہے۔ شاعر کے یہی اوصاف، اس کو نظم نگاری پر قدرت کاملہ عطا کرتے ہیں۔ اسی لئے ظفر سنبھلی کو "قصۂ شنیجو اور انارکلی" پڑھ کر، مثنوی لکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ خود انھیں کے الفاظ ہیں ــــ

جب پڑھا میں نے یہ فسانۂ غم	ہو گیا دل ملول، آنکھیں نم
دل یہ چاہا کہ اس کو نظم کروں	تاکہ آئے دلِ حزیں کو سکوں
سوچا یہ قصہ پھر نیا کر دوں	کیوں نہ اس پر میں مثنوی لکھوں

ظفر کو یہ اعتراف ہے کہ مثنوی لکھنا مشکل کام ہے لیکن علم کا علمبردار، اس مشکل کو آسان بنانے پر قدرت رکھتا ہے۔

گرچہ مشکل ہے مثنوی کا کام — لیکن ہوتا ہے اس سے جگ میں نام
معترف اس کے شاعرانِ جلیل — ہے ہر اک صنف مختصر، یہ طویل
ہاں مگر علم کا علمبردار — اس سے ڈرتا نہیں کبھی زنہار

مثنوی لکھنے کیلئے "علم کا علمبردار" ہونا ہی صرف کافی نہیں ہے۔ مثنوی نگار کے لئے ضروری ہے کہ وہ جو قصّہ یا واقعہ نظم کر رہا ہے، اس سے بخوبی واقف ہو اس کو جزئیات نگاری، مرقع کشی، پر کمال حاصل ہو۔ وہ اس قصّہ کے زمانے، ماحول، سماجی رجحانات اور تمام مسائل و معاملات کا نہ صرف علم رکھتا ہو، بلکہ اس کی جیتی جاگتی تصویر پیش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب اس کا مطالعہ و مشاہدہ گہرا ہو۔ اور زبان و بیان پر اس کو اتنی قدرت حاصل ہو کہ وہ موثر پیرایہ، مناسب اور موزوں الفاظ میں اظہار کر سکے ـــ مثنوی میں تسلسلِ بیان ضروری ہے یعنی مثنوی کا ہر شعر، دوسرے شعر سے اس طرح مربوط ہو جس طرح زنجیر کی ایک کڑی دوسری کڑی سے ملی ہوتی ہے۔ جو کردار پیش کیا جائے وہ نیچرل ہو اور اسی کے مرتبہ و منصب اور حیثیت کے اعتبار سے الفاظ کا استعمال کیا جائے۔ ظفر سنبھلی نے کوشش کی ہے کہ ان کی مثنوی میں زبان کی صحت، بیان کی روانی، بیان کا تسلسل قائم رہے، کردار اپنے اصلی روپ میں ظاہر ہوں۔

مثنوی کا آغاز "حمد و نعت" سے کیا گیا ہے۔ اس کے بعد "سببِ تالیفِ مثنوی" ہے۔ مثنوی میں عہدِ اکبر کی شان و شوکت، اکبر کا وارثِ

تخت و تاج کے لئے، حضرت سلیم چشتی کے پاس جانا۔ شیخ صاحب کی دُعا سے شہزادے کی ولادت، جشنِ مسرت، سلیم کی تعلیم و تربیت، سلیم کی حُسن پرستی اور مے نوشی، دکن پر حملہ، فتح کے بعد واپسی اور جشن فتح کا ذکر ہے۔ اسی جشن میں نادرہ (انارکلی) کا رقص ہوتا ہے۔ اور سلیم اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔

یہیں سے حسن و عشق کی اصلی داستان شروع ہو جاتی ہے، دل آرام کی رقابت، انارکلی اور سلیم کو محرومیوں، ناکامیوں اور مصائب و آلام میں مبتلا کرتی رہتی ہے۔ یہاں تک انارکلی کو زندہ چُنوا دیتی ہے۔ مثنوی میں اکبر (باپ اور شہنشاہ)، جودھا بائی (ماں)، سلیم (شہزادہ)، انارکلی (اکبر کی اک کنیز اور سلیم کی محبوبہ)، دلآرام (اکبر کی مُنھ چڑھی کنیز اور انارکلی کی رقیب) بختیار (سلیم کا مخلص اور ہمراز دوست) یہ سب اہم کردار ہیں۔ ظفر سنبھلی نے حسب موقع ان سب کی ترجمانی کی ہے۔

'مثنوی نگاری' میں ظفر سنبھلی کی یہ پہلی کوشش ہے۔ اور اس کوشش میں وہ بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ فکر و فن میں خونِ جگر سے اعجاز پیدا ہوتا ہے۔ اور ظفر سنبھلی اس راز سے نہ صرف واقف ہیں۔ بلکہ وہ اس پر عمل کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔

مجھے امید ہے کہ شاعری کی دُنیا میں ان کا مستقبل تابناک ہو گا۔

شجاعت علی سندیلوی

لکھنؤ۔ ۱۵ ستمبر ۱۹۸۰ء

حرفِ چند

(رئیس امروہوی)

"انارکلی" کی داستان مغلیہ علم الاصنام (میتھالوجی) میں بڑی دلچسپ نوعیت رکھتی ہے۔ اکبر اور جہانگیر کے عہد میں انارکلی کا جسمانی وجود تھا یا نہیں۔ اس کی تحقیق تاریخ نگاروں کا دردِ سر ہے۔ ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ لاہور میں ایک مصروف گذرگاہ "انارکلی" کے نام سے موسوم ہے۔ "انارکلی" کی کہانی ہمیشہ فن کاروں اور شاعروں کی توجہ کا مرکز رہی ہے۔ جناب ظفر سنبھلی نے اپنی مثنوی کا موضوع اسی رومان انگیز داستان کو بنایا ہے۔ مثنوی کی ابتدا ر روایت کے بموجب "حمد" سے ہوتی ہے۔

اے مرے آسمان سیر قلم — میرے ہمراز اور مرے ہمدم
نام لے سب سے پہلے اس رب کا — پالنے والا ہے جو ہم سب کا
حسن کو جس نے تاج بخشا ہے — سروری کا مزاج بخشا ہے

"حمد" کے لامکاں سے گذر کر شاعر نعت کے کون و مکاں میں قدم رکھتا ہے۔

اے قلم با ہزار عجز و نیاز — عرض کر اب ثنائے شاہِ حجاز
آسرا ہے جو دردمندوں کا — حق شعاروں کا حق پسندوں کا

مصنف نے تالیفِ مثنوی کا سبب یہ بتایا ہے کہ تاریخ ہند میں شیخو (جہانگیر) کا قصہ اور انارکلی کی داستان

غم کی دلدوز اک کہانی ہے — عشق ظالم کی مہربانی ہے

غم کی اس دلدوز کہانی کو جناب ظفر سنبھلی نے بڑی دردمندی اور دلسوزی

کے ساتھ نظم کا جامہ پہنایا ہے۔ ظفر سنبھلی کے کلام میں روانی، طرز و ادا میں بے ساختگی اور بیان میں ہمواری ہے۔ پوری مثنوی پڑھ جائیے ممکن نہیں کہ کسی مصرع پر زبان یا ذہن اٹک جائے۔ آپ مثنوی کا مطالعہ شروع کریں گے تو محسوس کریں گے کہ ایک 'جوئے سبک خرام' کے ساتھ بہتے چلے جا رہے ہیں اکبر کا تعارف کرانے کے بعد،

(اک مغل بادشاہ تھا اکبر، صاحب عزّ و جاہ و فتح و ظفر)

کے بعد کہانی کی ابتداء، اسطرح ہوتی ہے:

حرم شہ میں ایک رانی تھی اس کی اکبر پہ حکمرانی تھی

نام رانی کا جودھا بائی تھا سپہ سالار جس کا بھائی تھا

اس کے بعد جہانگیر کی پیدائش کا ذکر ہے۔

نام بیٹے کا رکھا نورالدین وارث ملک و تخت و تاج و نگین

اور پھر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

خیر سے آ گیا جب اس پہ شباب چاہتا تھا وہ حسن اور شراب

چھیڑ کرنے لگا حسینوں سے بڑھ گیا ربط نازنینوں سے

جہانگیر کی افتاد طبیعت کے بیان کے بعد مغل تاریخ کی کچھ سیاسی تہمات کا ذکر ہے۔ جس سے مثنوی کے لئے ایک تاریخی پس منظر پیدا ہو گیا ہے اور اس پس منظر سے "نادرہ" ابھرتی ہے جس نے بعد کو اکبر سے "انارکلی" کا خطاب پایا انارکلی اور سلیم ایک دوسرے سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ انارکلی کا عالم یہ ہے کہ:

چاہتی تھی سلیم کو اس طور چاند کو چاہے جس طرح سے چکور

مضطرب، دل فگار، آزردہ پھول جیسے ہو کوئی افسردہ

ظفر نے اپنی مثنوی میں قصّے کی تمام جزئیات کو ملحوظ رکھا ہے اور چند کردار بھی پیش کئے ہیں مثلاً انارکلی کی چھوٹی بہن ثریّا۔

چھوٹی تھی نادرہ سے یہ گلفام — تھی ستارہ جبین و گُل اندام

یا شہزادے کا محرم اسرار "بختیار"۔ ان کرداروں کی تخلیق شاعر کی طباعی کا ثبوت ہے۔ مثنوی آہستہ آہستہ نقطۂ عروج (کلائمکس) کی جانب رواں دواں ہے سلیم کا عالم یہ تھا کہ

روز و شب کھویا کھویا رہتا تھا — خواب میں سویا سویا رہتا تھا

لیکن محلاتِ شاہی کی اک کنیز "دل آرام" راہ میں حائل تھی۔ وہ خود سلیم کی محبت کا دم بھرتی تھی لیکن "انارکلی" نے اس کے محبوب کے دل و جان پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس لئے دل آرام ۔

ذہن میں بنتی سازشوں کے خیال — ظاہرہ رہتی تھی بہت خوشحال

زیر لب، آہِ سرد بھرتی تھی — وقت کا انتظار کرتی تھی

دل آرام، ثریّا، سلیم، انارکلی، اور اکبر کے کرداری تضادات سے اس مثنوی میں عجیب قسم کی رومانی دلچسپی پیدا ہوگئی ہے مختصر یہ کہ ظفر سنبھلی نے بڑی تخلیقی .. لطافت سے مثنوی کو مرتب کیا ہے۔ اردو میں مثنوی نگاری کی روایت قدیم ہے لیکن حال میں یہ روایت دھندلا گئی ہے۔ ظفر سنبھلی نے اس روایت کی تجدید کی جو کوششیں کی ہیں، وہ قابل قدر ہیں۔

رئیس امروہوی

۱۲۹۔ مانک جی اسٹریٹ۔ گارڈن ایسٹ

کراچی — ۱۶ دسمبر ۱۹۸۱ء

انارکلی ایک شاعر کی نظر میں

اردو شاعری کی ممتاز اصناف کا ذکر آتا ہے تو بے اختیار مثنوی کا نام زبان پر آجاتا ہے۔ اس کا ایک سبب تو یہ ہے کہ اس کا رشتہ ہر صنفِ سخن سے ہے اور دوسری طرف اس کی جامعیت کا یہ حال کہ جہاں دوسری اصناف اظہارِ بیان میں عاجز نظر آتی ہیں وہاں مثنوی کا سکہ جاری رہتا ہے۔ بیانیہ صنفِ سخن میں مثنوی وہ صنفِ سخن ہے جس کا رابطہ ماضی سے بھی ہے اور دورِ حاضر سے بھی۔ آج بھی مثنوی کو ذوق سے پڑھا جاتا ہے۔ اس صنف کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس نے زمانہ کے ساتھ ساتھ لباس اور طرزِ بیان میں بھی بقدرِ ضرورت تبدیلی کی ہے۔

مشہورِ زمانہ ڈرامہ "انارکلی" سے کون واقف نہ ہوگا۔ ظفر سنبھلی نے اس کو نظم کا لباس پہنا کر ایک نئے لباس میں پیش کیا ہے۔ سرِ دست اس سے بحث نہیں کہ اس واقعہ کی تاریخی حقیقت کیا ہے۔ اس لئے کہ خود "امتیاز علی تاج" نے اس قصہ کو فرضی تسلیم کیا ہے، چنانچہ انارکلی کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"یہ داستان نہ معلوم کب اور کہاں ایجاد ہوئی اور لاہور کی جن تواریخ میں اس کا تذکرہ ہے اُن میں کہاں سے لی گئی۔ خود داستان میں اندرونی شہادتوں کی بنا پر کئی ایسے نقائص ہیں جن کی وجہ سے یہ قرینِ قیاس معلوم نہیں ہوتی۔"

اس کے باوجود مصنّف کا کمال یہ ہے کہ اپنے پڑھنے والوں کے ذہن پر اس واقعہ کو اس طرح مسلّط کر دیا جیسے تاریخ کے اوراق اپنا اثر قائم کر لیتے ہیں۔ "تاج" کے اس ڈرامہ کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں خوبصورت نثر اور

شاعری دونوں کا امتزاج ہے۔ شاعر جس نے اس ڈرامہ کو نظم کی صورت میں پیش کیا ہے اس کے لئے مشکل مرحلہ یہ ہے کہ "انارکلی" کے اس سحر سے جو تاج نے لوگوں کے دلوں پر قائم کر دیا ہے کس طرح ذہنوں کو مبذول کر کے اپنی انفرادیت کو قائم رکھ سکے۔

ناول اور افسانے کے اجزائے ترکیبی میں پلاٹ، کردار اور زبان و بیان آتے ہیں منظوم انارکلی کے پلاٹ کے بارے میں کچھ کہنا بے کار ہے۔ شاعر نے اس میں کوئی ایسی بات کہنے کی کوشش نہیں کی جو منثور ڈرامہ میں نہ ہو۔ پورا پلاٹ اسی طرح رومانی فضا کی پیداوار ہے۔ اس میں نہ کوئی کمی کی ہے اور نہ کوئی اضافہ نظر آتا ہے۔

جہاں تک کرداروں کا تعلق ہے شاعر نے اپنے کرداروں کا تعارف اس انداز سے کرایا ہے۔

اک مغل بادشاہ تھا اکبر صاحب عزّ و حیاہ و فتح و ظفر
ہند پر کر رہا تھا ایسا راج عظمتیں دے رہی تھیں اسکو خراج
وہ عقیل و فہیم و دانا تھا اس کے زیر نگیں زمانا تھا

اسی ذیل میں بادشاہ کے دربار کی شان و شوکت کے ساتھ اس کے نورتنوں کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ اکبر کے بعد جودھا بائی کا تعارف ان الفاظ میں کراتے ہیں:-

حرم شہ میں ایک رانی تھی جس کی اکبر پہ حکمرانی تھی
نام رانی کا جودھا بائی تھا سپہ سالار جس کا بھائی تھا

شہزادے سلیم کی پیدائش کے وقت نام رکھنے کا مسئلہ تھا۔ چوں کہ اس کی پیدائش حضرت سلیم چشتی رح کی دعا سے ہوئی تھی اس لئے شہزادہ

کا نام سلیم تجویز ہوا۔

نام بیٹے کا رکھا نورالدین — وارثِ ملک و تخت و تاج و نگین

از پئے اعتراف لطفِ عظیم — رکھا لختِ جگر کا نام سلیم

اس کو کہتا تھا پیار سے شیخو — مثلِ خوشبو، اڑا لقب ہر سو

دوسری جگہ سلیم کا کردار اس طرح سامنے آتا ہے۔

ہاتھ میں آ گئی اسکے جب تلوار — سمجھا تلوار کو بھی وہ دلدار

دیکھتا تیغ پر جو خوں کی دھار — یاد آتے اسے لب و رخسار

اس ڈرامہ کا مرکزی کردار 'انارکلی' کا تعارف ان الفاظ میں کراتے ہیں:

تھی کنیزوں میں یہ بھی ایک کنیز — صاحبِ عقل و فہم و ہوش و تمیز

یوں چھلکتا تھا اس کا حسن و شباب — کانچ کے جام میں ہو جیسے شراب

تھی مصوّر کی وہ حسیں تصویر — یا تھی آذر کے خواب کی تعبیر

مثلِ آہو، سیاہ تھیں آنکھیں — نکہتِ گل کی مثل تھیں سانسیں

رقص کر کر کے ایسا گاتی تھی — جادو محفل میں وہ جگاتی تھی

سحر تھی اس کی رس بھری آواز — کیف دیتے تھے جسکی لے پر ساز

یہ پوری کہانی ان تین کرداروں کے گرد گھومتی ہے اور یہ تینوں کردار صرف ایک جھلک دکھا کر غائب ہو جاتے ہیں۔ ان کی مکمل تصویر سامنے نہیں آتی۔ البتہ شاعر نے 'انارکلی' کی تصویر کو پیش کرنے میں تفصیل سے کام لیا ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ خود شاعر قصّہ کے رومانی فضا سے اس قدر متاثر ہے کہ ہر کردار کا ذکر کرتے وقت ان کا جی چاہتا ہے کہ ورق پلٹ دیں اور جب انارکلی کا ذکر آتا ہے تو قلم اس کی صفات میں رطب اللسان ہو جاتا ہے۔ شاید یہی سبب ہے کہ اکبر کی

ذات جن اوصاف سے متصف ہے۔ یعنی مغلیہ جاہ و جلال، عظمت، رعب اور دبدبہ اُس کی تصویر ہمارے سامنے کم اُبھر کر آتی ہے۔ شاعر "محفلِ بزم" سجانے میں اتنا مصروف ہو جاتا ہے کہ "میدانِ رزم" میں بھی وہی رومانی سحر قائم رہتا ہے۔ تاہم یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ شاعر نے کوشش کی ہے کہ پلاٹ کا رشتہ کرداروں سے منقطع نہ ہونے پائے۔

زبان کے سلسلے میں اس مثنوی کی خصوصیات سادگی ہے۔ وہ اس سادگی کے باعث کسی واقعہ کو نیچرل انداز میں کھینچ دیتے ہیں۔ اس مثنوی میں پلاٹ اور کردار تو شاعر کے طبع زاد نہیں ہیں۔ شاعر کو اس کے زبان و بیان میں تلاش کرنا ہوگا۔ ظفر صاحب نے صنائع و بدائع سے احتراز کیا ہے۔ جو مستحسن ہے۔ البتہ تشبیہات اور استعارات کا استعمال بے تکلف اور برجستہ ملتا ہے مگر اُن کے شعر کا اصلی وصف 'سادگی' ہے۔ سادگی اور تشبیہات کے امتزاج نے شعر میں لطف پیدا کر دیا ہے۔

اس کی گردن تھی گردنِ مینا — پھول تھے اسکے عارضِ زیبا
سرو جیسا وہ قامتِ رنگیں — فتنۂ حشر سے سوا تھا کہیں
کوئی چہرے پہ ڈالتی آنچل — جیسے آجائے چاند پر بادل
کوئی دیتی تھی تال پر تالی — جھوم کر چلتی کوئی متوالی

زبان و بیان کا اظہار شاعر نے اس موقع پر بڑی خوبی سے کیا ہے جب وہ کسی منظر کو پیش کرتے ہیں۔

باغ کے صحن میں تھی 'بارہ دری' — آب جو، جس کے گرد بہتی تھی
نہر کے دو طرف تھے سرو کھڑے — جو کہ سرسبز بھی تھے اور گھنے۔

شہر میں جا بجا تھے "فوارے" جو دکھاتے تھے آبی نظارے

مثالیں اور بھی پیش کی جا سکتی تھیں۔ مگر طوالت کے خوف سے انکو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ البتہ اس کمی کا ضرور احساس ہوتا ہے کہ شاعر "انار کلی" کو بیسویں صدی کے آخر میں پیش کر رہا ہے۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ اس مثنوی کو نئے مرکزی خیال کے ساتھ نہیں تو نئے ڈکشن (Diction) سے ضرور کام لیتے، مگر ظفر صاحب نے وہی لب و لہجہ اختیار کیا ہے جو روایتی مثنویوں کا ہے۔ مگر اچانک شاید ان کو عہدِ حاضر کا خیال آ گیا جس کی وجہ سے جدید رجحانات غالب آ گئے۔ جن کی وجہ سے قدیم اور جدید کا امتزاج نہیں بلکہ الجھاؤ زیادہ پیدا ہو گیا ہے۔ اور شاعر کو خود مشکل پیدا ہو گئی ہے کہ وہ اپنا فیصلہ کس کے حق میں دے۔ اس رویّہ سے ممکن ہے کہ شاعر کو ذہنی تسکین ہو گئی ہو لیکن جدید ذہن کو قبول کرتے میں تامّل ہو گا۔

مجموعی طور پر ظفر صاحب کی محنت قابلِ داد و تحسین ہے۔ اور مجھے اُمید ہے کہ اس مثنوی کی پذیرائی ہو گی اور لوگ اس کو اُسی طرح ذوق و شوق سے پڑھیں گے جس طرح "انار کلی" ڈرامہ کو پڑھتے چلے آتے ہیں۔

ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی
ریڈر شعبۂ اردو۔ دہلی یونیورسٹی

"انارکلی" نظم کے لباس میں

جدیدیت کے اس ہنگامی دور میں ظفر سنبھلی کی یہ جرأتِ رندانہ قابلِ داد و تحسین ہے کہ انھوں نے ایک ایسی صنفِ سخن (مثنوی) کو حیاتِ نو دینے کی کوشش کی ہے جو ایک مدت سے نظر انداز کی جاتی رہی ہے اور اب تقویمِ پارینہ بن چکی ہے۔

شہزادہ سلیم اور انارکلی کی المناک داستانِ محبت تاریخی اعتبار سے غیر مستند سہی، بہر نوع اردو کے قاری کے لئے انتہائی دلچسپی کا باعث رہی ہے۔ امتیاز علی تاج نے اپنے زورِ قلم سے اس داستان کو غیر فانی بنا دیا ہے۔ ظفر سنبھلی نے بھی اس المیہ کو نظم کے پیکر اور مثنوی کے قالب میں ڈھالنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ زبان و بیان اور واقعات نگاری کا حُسن قدم قدم پر قاری کی توجہ کو مرکوز کر لیتا ہے۔ سلاست، روانی اور منظر کشی پر کہیں کہیں "میر حسن" کا دھوکا ہونے لگتا ہے۔ افسانے کا تسلسل اوّل سے آخر تک قائم رہتا ہے۔ اور ہر کردار بڑی چابکدستی سے اُجاگر کیا گیا ہے۔

ظفر کی مثنوی انارکلی اردو داستانوں میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے۔ اور مجھے اُمید ہے کہ اُن کی یہ کوشش قبولِ عام کی سند حاصل کرے گی۔

اظہر احمد کمالی
(ریٹائرڈ سپرنٹنڈینٹ تعلیم)
مولوی ٹولہ۔ بدایوں

مدت کے بعد

اس نئے دور میں مکمل مثنوی لکھے جانے کا سہرا ظفر سنبھلی کے سر ہے مثنوی اور قصیدہ مدت سے غریب الوطن نظر آ رہے ہیں۔ تحسین کے حقدار ہیں ظفر سنبھلی کہ انھوں نے مثنوی "انارکلی" لکھ کر بتایا کہ اردو ادب کی صنف کو زندہ رہنا چاہیئے۔ اور زندہ رکھا جا سکتا ہے۔

اردو مثنوی کی ابتدا کا سہرا بھی اردو نسل کے آدم ولی دکنی کے سر ہے مثنوی میں انھوں نے نئی نئی راہیں نکالیں۔ رفتہ رفتہ وہ زمانہ آیا کہ میر حسن اور دیا شنکر نسیم کی مثنویوں نے ملک گیر ہیں، ممالک گیر شہرت حاصل کی۔ مثنوی زہر عشق بھی اپنے رنگ کی دلکش، دل نواز اور محبت نواز مثنوی رہی۔

اس زمانے میں جبکہ مثنوی کو کسی کسی شاعر نے اپنایا۔ ظفر سنبھلی نے بھی اس پر قلم اٹھایا۔ اور ماشاء اللہ مثنوی کو پورے اہتمام سے لکھا۔ مثنوی میں محنت شاقہ کے بعد انارکلی سے نئے نئے گل کھلائے۔ مثنوی میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو ایک کامیاب اور مقبول مثنوی کے لئے ضروری ہیں۔ منظر کشی، تصویر کشی، زندگی کے اتار چڑھاؤ کی جھلکیاں، رنگین فقرے، حسب موقع محاورات کا استعمال، اپنے اپنے مقام پر مونث و مذکر کا لہجہ بول چال، طرز تکلم، اس کے ساتھ ہی مثنوی کا پلاٹ، کردار، مناظر زمان و مکان کا اسلوب وغیرہ۔

میں ظفر سنبھلی کو ہم وطن ہونے کے رشتہ سے نہیں بلکہ ان کی محنت، سوجھ بوجھ، لگن اور عزم و عمل پر مبارکباد دیتا ہوں اور دعا ہے

کہ ان کا یہ کارنامہ شعرائے اردو کے لئے اس صنف کو زندہ رکھنے کا ذریعہ ہو اور اسطرح
ان کی کوششیں بارآور ہوں جو انھوں نے مثنوی انارکلی کے لکھنے میں کی ہیں۔

سید معجز حسین معجز سنبھلی
نوریوں سرائے سنبھل

اظہارِ تشکر

میں ان تمام ادباء، شعراء صاحبان کا ہمہ تن سپاس گزار ہوں اور شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے مثنوی انارکلی سے متعلق اپنے گراں قدر تاثرات و خیالات عطا کر کے میری حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔

میں ان ادب نواز دوستوں کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے میری تخلیق کو منظرِ عام پر لانے کے سلسلے میں اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔ اور قدم قدم پر میری معاونت کی۔

میں خودستائی و خودنمائی کا قائل نہیں، اپنے بارے میں صرف اتنا ہی عرض کرنا چاہوں گا کہ مجھے جملہ اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کا ذوق و شوق ہے ـــــ "مثنوی انارکلی" میری پہلی کاوش ہے اس میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں اس کا فیصلہ تو خود قارئین حضرات فرمائیں گے۔ کیونکہ مصنف کی کوئی بھی تخلیق صفحۂ قرطاس پر آجانے کے بعد عوام کا سرمایہ بن جاتی ہے اور مصنف سے اس کا تعلق نام کی حد تک رہ جاتا ہے۔

ـــــ ظفر سنبھلی

حمد

اے مرے آسمان سیر قلم
میرے ہمراز اور مرے ہمدم

نام لے سب سے پہلے اس رب کا
پالنے والا ہے جو ہم سب کا

چاند، تارے بنائے ہیں جس نے
گل و لالہ کھلائے ہیں جس نے

جس نے انساں کو زندگی بخشی
جس نے ذرّوں کو روشنی بخشی

جس نے کون و مکاں بنائے ہیں
یہ زمیں، آسماں بنائے ہیں

"وحدہٗ لاشریک" جسکی ذات
اور جس کی ہیں بے شمار صفات

معترف جس کے چہچہاتے طیور
سیکڑوں ناموں سے جو ہے مشہور

گوشہ گوشہ میں نور ہے جس کا
چار جانب ظہور ہے جس کا

نعمتیں جس کی کام آئیں سدا
آتش و آب، دھوپ، مٹی، ہوا

جس نے موسم دیئے حسین و جمیل
جو کہ ہوتے ہیں آپ ہی تبدیل

بے نہایت ہے جس کا لطفِ عمیم
ہے جو غفّار اور رحیم و کریم

کام جو رحمتوں سے لیتا ہے
منکروں کو بھی رزق دیتا ہے

جس کے ابرِ کرم میں جوش بھی ہے
جو گناہوں کا پردہ پوش بھی ہے

آسرا ہے جو غم کے ماروں کا.. ہے سہارا جو بے سہاروں کا
جس نے انساں کو جان بخشی ہے اور قلم کو زبان بخشی ہے
"حُسن اور عشق" کا جو خالق ہے اور "حبّ و توا" کا خلّاق ہے
حُسن کو جس نے تاج بخشا ہے سروری کا مزاج بخشا ہے
مجتمع کر کے ہر مسرّت کو جس نے پیدا کیا محبّت کو
جس نے مہر و وفا کئے پیدا عشق کو حُسن پر کیا شیدا
خشک و تر میں کہانیاں اسکی زیست پر حکمرانیاں اسکی
وہ جو واحد ہے اور لاثانی وہ ہی باقی ہے اور سب فانی
وہ جو سارے جہاں کا مولا ہے وہ جو قادر ہے اور توانا ہے

آس پر اس کی جی رہا ہے ظفرؔ
زہرِ غم ہنس کے پی رہا ہے ظفرؔ

نعت

اے قلم ، باہزار عزّ و نیاز
عرض کر اب ثنائے شاہِ حجاز

جس کے سر پر سجا شرف کا تاج
جو گیا عرش پر شبِ معراج

کی خدا نے بیان جس کی صفات
رحمتِ دو جہاں ہے جسکی ذات

جس کو حاصل ہے عظمتِ کردار
زیست میں جسکے دم سے آئی بہار

جو ہر اک بے نوا کا حامی ہے
امن اور صلح کا پیامی ہے

جس نے بدلا ہے آدمی کا مزاج
معتدل جس سے زندگی کا مزاج

جس نے انساں بنا دیا ہم کو
جس نے جینا سکھا دیا ہم کو

جس نے رب سے ہمیں ملایا ہے
عرش سے اونچا جسکا پایہ ہے

بغض و نفرت مٹا دیئے جس نے
آئینے ، دِل بنا دیئے جس نے

جس نے رہزن کو کر دیا رہبر
تھا جو رُشد و فلاح کا پیکر

باقی چھوڑی نہ تیرگی جس نے
دی زمانے کو روشنی جس نے

جس نے باطل کا بیڑہ غرق کیا
جس نے دُنیا کو درسِ خیر دیا

بدلا تقدیر کی لکیروں کو
تاج جس نے دیئے فقیروں کو

وہ جو سب سے بڑا پیمبر ہے — وہ جو محبوبِ خاصِ داور ہے
جس کا پیغام ہے پیامِ حق — جس کا مدحت سرا کلامِ حق

ہے جو سرچشمہ حُسن و خوبی کا — وہ جو ہے بے مثال و بے ہمتا
آسرا ہے جو درد مندوں کا — حق شعاروں کا، حق پسندوں کا

فکر ہے جس کو اپنی اُمّت کی — جس سے اُمید ہے شفاعت کی
اس سے ہر اک مُراد پاتا ہے — وہ کُھلے ہاتھ والا داتا ہے

اے دو عالم کے تاجدار نبی — اے مشیّت کے شاہکار نبی
ہے ظفر تیرا ایک ادنیٰ غلام — بھیجتا ہے تجھے درود و سلام

نیچے جب آفتاب آیا ہو — سر پہ تیری رِدا کا سایہ ہو
منزلِ حشر اُس پہ آساں ہو
ہاتھ اسکے ہوں تیرا داماں ہو

سببِ تالیفِ مثنوی

اے مرے رازداں اے میرے قلم / کر سبب پہلے مثنوی کا رقم

گرچہ فانی ہے آنی جانی ہے / زندگی اک حسیں کہانی ہے

اس میں غم بھی ہے اور مسرت بھی / ہے یہ زحمت بھی اور نعمت بھی

لوگ بنتے ہیں اور بگڑتے ہیں / محل بستے ہیں اور اجڑتے ہیں

اس کو ملتی ہے وصل کی راحت / اس کو ملتی ہے ہجر کی زحمت

ایک خوش ہو کے مسکراتا ہے / دوسرا اشکِ غم بہاتا ہے

ایک دِل، قیدِ غم سے ہے آزاد / شدتِ غم سے دوسرا ناشاد

کسی شے کو نہیں دوام یہاں / اِک تماشہ ہے صبح و شام یہاں

عشق جب زندگی میں آتا ہے / زیست کو سانحہ بناتا ہے

یہ گدا کو نہ شاہ کو دیکھے / نہ کسی بنتِ ماہ کو دیکھے

عشق غم بھی ہے چارۂ غم بھی / زخم بھی عشق اور مرہم بھی

عشق میں دِل کا چین بھی ہے بہت / اور سوچو تو بَین بھی ہے بہت

عشق نے سیکڑوں کیے برباد / بے اثر اس پہ نالہ و فریاد

رحم کرتا نہیں حسینوں پر　　ظلم ڈھائے ہے نازنینوں پر

توڑ کر وقت کے ارادوں کو　　خاک چھنوائی شاہزادوں کو

ایسی ہی ایک "داستانِ الم"　　ذکر سے جس کے کانپ جائے قلم

میں نے تاریخ ہند میں ہے پڑھی　　"قصۂ شیخو اور انارکلی"

غم کی دل دوز اک کہانی ہے　　عشق ظالم کی مہربانی ہے

واقعی ہے عجیب یہ قصۂ غم　　جبرِ حالات، بختِ بد کا کرم

جب پڑھا میں نے یہ فسانۂ غم　　ہو گیا دل ملول، آنکھیں نم

عشقِ ناکام پر بہت رویا　　تلخ انجام پر بہت رویا

دل یہ چاہا کہ اسکو نظم کروں　　تاکہ آئے دلِ حزیں کو سکوں

اس لئے رکھ کے اپنے دل پہ سنگ　　دیا تاریخ کو فسانے کا رنگ

کاش اس کو قبولِ عام ملے
محفلِ شعر میں دوام ملے

دورِ اکبری، اور مغل شہنشاہ اکبر کا ولی عہدِ سلطنت کی پیدائش کی دُعا کی غرض سے حضرت شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے آستانے پر شکر کے ساتھ پا پیادہ پہنچنا اور شیخ صاحبؒ کی دُعا سے نو ماہ بعد ولی عہد کا پیدا ہونا

اک مغل بادشاہ تھا اکبر — صاحبِ عزّ و جاہ فتح و ظفر

ہند پر کر رہا تھا ایسا راج — عظمتیں دے رہی تھیں اسکو خراج

وہ عقیل و فہیم و دانا تھا — اس کے زیرِ نگیں زمانا تھا

تھا ہر اک دل پہ دبدبہ اسکا — روز افزوں تھا مرتبہ اس کا

حکمرانی کے فن میں کامل تھا — مملکت سے کبھی نہ غافل تھا

صاحبانِ ہُنر تھے اس کے مشیر — جن کا ثانی نہ جنکی کوئی نظیر

اُس کے دمساز اور اسکے ندیم — تھے ابوالفضل مان سنگھ و رحیم

تھا رفیقوں میں ایک بیرم بھی — تھا جو محسن بھی اور محرم بھی

بہرِ نظم و نسق تھی اک کونسل — رُکن تھے فیضی اور ٹوڈر مل

عظمتِ نغمہ، شانِ موسیقی — اس کی مجلس میں تان سین سے تھی

رکھتے تھے طبعِ شاہ کو تازہ — بیربل اور مُلّا دو پیازہ

سب تھے ممتاز علم اور فن میں — "نورتن" تھے یہ شہ کے دامن میں

یوں تھے یہ شہ کے ساتھ صبح و شام
جیسے تارے ہوں گردِ ماہِ تمام

حرم شہ میں ایک رانی تھی — جس کی اکبر پہ حکمرانی تھی
نام رانی کا جودھا بائی تھا — سپہ سالار جس کا بھائی تھا
راجپوتوں میں تھا بہت ہشیار — تھا وہ اکبر پہ جان و دل سے نثار
شاہ و ملکہ کو اک یہی غم تھا — وارثِ تخت و تاج بھی ہوتا
کوئی امید بر نہ آئی جب — دِل کے ارماں ہوئے فسردہ تب
آخرش، شہ یہ آرزو لے کر — پہنچا حضرت سلیم کے در پر
سیکری میں قیام تھا جن کا — فیض دنیا میں عام تھا جن کا
احترام و ادب کے ساتھ اکبر — پہنچا پیدل ہی شیخ کے در پر
شیخ "نے اپنے رب سے کی یہ دُعا — بیٹا اکبر کو دے مرے مولا
ربّ العزت نے یہ دُعا سُن لی — پوری اکبر کی آرزو کر دی
نو مہینے کا جب ہُوا عرصہ — جودھا بائی کے ہو گیا لڑکا
شاہ کو جس گھڑی ملی یہ خبر — اپنی قسمت پہ خوش ہوا اکبر
از پئے اعترافِ لطفِ عظیم — رکھا لختِ جگر کا نام "سلیم"
توپیں چھُٹتے ہی شادیانے بجے — جشن ہونے کو قصر سجنے لگے
بانٹے اکبر نے خلعت و انعام — خوش ہوئے جن سے سب خواص و عوام
یوں سبھی کہہ رہے تھے ہو کر شاد — رکھے شہزادے کو خدا آباد

شاہ کی مثل اس کا نام چلے
ہند پر اس کا بھی نظام چلے

شہزادے کی پیدائش پر خصوصی جشن اور محفلِ رقص و سرود:

ساقیا لا پلا دے جامِ شراب / ذہن تازہ ہو جس سے مثلِ گلاب

ایسے مضمون ڈھونڈ کر لاؤں / جن کا ثانی کہیں نہیں پاؤں

جادو الفاظ کا جگاؤں میں / بستیاں خواب کی بساؤں میں

آئینہ وقت کو دکھانا ہے / جشن کا حال اب سنانا ہے

جشن کے یوں کیے گئے ساماں / رشکِ فردوس بن گئے ایواں

جھاڑ، فانوس اور فوارے / ہر طرف دیدنی تھے نظارے

روشنی نے وہ جلوے دکھلائے / چاندنی رات جس سے شرمائے

جگمگاتے تھے سب در و دیوار / جھلملاتے تھے جن پہ نقش و نگار

جا بجا سبز مخملی پردے / حسنِ محراب و در بڑھاتے تھے

ہر طرف نور، ہر طرف جلوے / دن نکل آئے رات میں جیسے

فرش مخمل کی مثل تھا سبزہ / دل نشیں تھا جمال پھولوں کا

ہو رہی تھی نظر کو حیرانی / بہتی چاندی تھا نہر کا پانی

روح افزا بنی تھی شب کی فضا / ٹھنڈی ٹھنڈی سنک رہی تھی ہوا

پھر رہے تھے ہر اک سمت غلام / خدمتوں میں لگے تھے سب خدام

لونڈیاں اور باندیاں تھیں عجب / حوریں جنت کی لگ رہی تھیں سب

محفلِ رقص جب ہوئی جاری / اک سماں کیف کا ہوا طاری

یوں کنیزیں تھیں بزم میں رقصاں / جیسے اندر سبھا میں ہوں پریاں

جن کے کپڑے تھے مثلِ قوسِ قزح / حسن کو دے رہے تھے اور طرح

رقص تھا کوئی مورنی جیسا　　رُوپ دِکھارا کسی نے رادھا کا
کوئی نازو ادا دکھاتی تھی　　کوئی شوخی سے دِل لُبھاتی تھی
کوئی آنکھوں سے لے رہی تھی کام　　کیف و مستی کے بانٹتی تھی جام
مے کسی آنکھ سے برستی ہوئی　　کوئی دامن چھڑا کے ہنستی ہوئی
کوئی انگڑائی لیکے ڈھاتی غضب　　کوئی دانتوں سے کاٹتی تھی لب
ناز سے کوئی مُسکراتی ہوئی　　بجلیاں سی کوئی گراتی ہوئی
کوئی چہرے پہ ڈالتی آنچل　　جیسے آجائے چاند پر بادل
کوئی دیتی تھی تال پر تالی　　جھُوم کر چلتی کوئی متوالی
تھا نرالا ہر ایک کا جادو　　دِل لُبھاتے تھے پاؤں کے گھنگھرو
بج رہے تھے سُریلے سُر میں ساز　　کانوں میں گھولتی تھی رس آواز
حال مت پوچھو اہلِ محفل کا　　طور بے طور تھا ہر اک دِل کا
چہرے خنداں تھے صورتِ گلزار　　دیکھی تھی مدتوں میں ایسی بہار
محفلِ رقص جب تمام ہوئی　　بخششِ شاہ و ملکہ عام ہوئی
شاہ نے ختمِ جشن سے پہلے　　اہلِ محفل سے مشورہ کر کے
نام بیٹے کا رکھا "نورالدین"　　وارثِ ملک و تخت و تاج و نگیں

"شہزادے سلیم کی کنیزوں میں پرورش اور رنگ رلیاں"

پرورش اُس کی دی کنیزوں کو　　یہ شرف بخشا نازنینوں کو
اللہ آمین سے وہ لگا پلنے　　لگا بچپن شباب میں ڈھلنے
خیر سے آگیا جب اُس پہ شباب　　چاہتا تھا وہ حسن اور شراب

چھیڑ کرنے لگا حسینوں سے
ہو گیا ربط نازنینوں سے

رقص اس کو کوئی دکھاتی تھی
کوئی نغمہ اُسے سُناتی تھی

کوئی آنکھوں سے مے پلاتی تھی
چھیڑ کر کوئی مُسکراتی تھی

یہ تھا بھوترا، تو وہ حسیں کلیاں
راجہ اِندر تھا یہ، تو وہ پریاں

حُسن کے پھول روز چُنتا تھا
بات ماں باپ کی نہ سُنتا تھا

جیسے جیسے نکھر رہا تھا شباب
ویسے ویسے بگڑ رہا تھا شتاب

شاہ و ملکہ سے بے نیاز تھا وہ
غرقِ مستی تھا عشق باز تھا وہ

شغل اس کا تھا رقص اور شراب
کم سنی میں ہی ہو گیا تھا خراب

پڑھنے لکھنے سے جی چُراتا تھا
سیر و تفریح کو نہ جاتا تھا

اس کے یہ رنگ دیکھ کر اکبر
غم و غصہ سے ڈالتا تھا نظر

خوف کیا کرتا شہ کا، رانی کا
نشہ تھا حُسن کا جوانی کا

ماں نے ہر طرح اس کو سمجھایا
لیکن اس کی سمجھ میں کب آیا

باپ، ماں تھے یہ سوچ کر خاموش
شاید آجائے رفتہ رفتہ ہوش

لیکن اُس پہ تھا حُسن کا جادو
اس لئے ہو گیا تھا بے قابو

"وہ" نظر میں کسی کو کیا لاتا
"وہ" تھا جیسے چڑھا ہوا دریا

شہزادے کی لاپرواہی اور مدہوش جوانی کی رنگ رلیوں کی خبر پاکر اکبر کا فکرمند ہونا اور شہنشاہ اکبر کے حکم پر دکن کی بغاوت کچلنے کیلئے لشکر کے ہمراہ شہزادہ سلیم کا کوچ۔ بغاوت کی سرکوبی اور سپہ گری کے فن میں شہزادے کی مہارت کی خبر پاکر اکبر کا شہزادے کے نام فرمانِ واپسی

پا کے اس کو خراب حُسن و شراب
دھندلے اکبر کے پڑ گئے سب خواب

جب نہ بدلے کسی طرح حالات
ذہن میں شاہ کے یہ آئی بات

بھیجا لشکر کے ساتھ سوئے دکن
تا کہ سیکھے سپہ گری کا فن

ہاتھ میں آئی اُس کے جب تلوار
سمجھا، تلوار کو بھی وہ دلدار

دیکھتا تیغ پر جو خوں کی دھار
یاد آتے اُسے لب و رُخسار

جب بغاوت ہوئی بخیر تمام
بھیجا لکھ کر لہو سے یہ پیغام

کہ دکن سے ہوئی بغاوت دُور
اب تو واپس مجھے بُلائیں حضور

حُسن کا جب رہا نہ اُس پہ اثر
بھیجی اکبر نے واپسی کی خبر

ماں کی ممتا اِدھر تڑپتی تھی
راہ، شفقت پدر کی تکتی تھی

لوٹ کر جب دکن سے وہ آیا
شہ نے صدقے میں مال و زر بانٹا

"عاشقِ حُسن" اب سپاہی تھا
اور یہی مدعائے شاہی تھا

سیکھے شیخو نے ملک کے دستور
بخت کو تھا مگر یہ کب منظور

کوئی آگے کی بات کیا جانے
کل کو کیا ہوگا یہ خدا جانے

شہزادے سلیم کی دکن سے واپسی پر قلعۂ لاہور میں جشنِ چراغاں اور محفلِ رقص و سرود

میرے ساقی دے ساغرِ گلفام
ذہن سے لینا ہے مجھے کچھ کام

جادوِ الفاظ کا جگانا ہے
حال پھر جشن کا سُنانا ہے

تذکرے جشن کے سُناتا ہوں
نقشہ الفاظ میں دکھاتا ہوں

شہ کی باندی تھی ایک "دِلآرام"
تھا اُسی کے سپرد جشن کا کام

خوبرو تھی وہ سب حسینوں میں
بات اس کی تھی نازنینوں میں

کچھ کنیزیں بھی اسکی تھیں ہمراز
اُس کی آواز، جن کی تھی آواز

تھی سیاست میں وہ بڑی ہشیار
خالی جاتا کبھی نہ اس کا وار

دیکھا اِک دن جو اُس نے شوخ سلیم
عشق سے جان و دل ہوئے دو نیم

پھول کی طرح یہ گلِ شاداب
اسی بھنورے کا دیکھتی تھی خواب

حیثیت تو عشق، مجرمانہ تھا
ملکہ بننے کا اِک بہانہ تھا

آرزو تھی سلیم سے اِک بار
کر کے ہمت کہے وہ حالِ زار

لیکن اس کی نہ ہو سکی جرأت
خوفِ شاہی سے ڈر گئی الفت

سوچا کرتی کہ میں ہوں ایک کنیز
وہ ہے شہزادہ اور میں ناچیز

دونوں مل جائیں یہ ہے ناممکن
ایسے دن آئیں یہ ہے ناممکن

خود سے وہ یوں کلام کرتی تھی
جشن کا اہتمام کرتی تھی

جشن کا کام کر چکی وہ جب — اس نے بلوایا "نادرہ" کو تب

تھی کنیز و نہیں یہ تھی ایک کنیز — صاحبِ عقل و فہم و ہوش و تمیز

یوں جھلکتا تھا اس کا حسن و شباب — کانچ کے جام میں ہو جیسے شراب

تھی مصوّر کی وہ حسین تصویر — یا تھی آزر کے خواب کی تعبیر

مثلِ آہو سیاہ تھیں آنکھیں — نکہتِ گُل کی مثل تھیں سانسیں

بال ایسے گھنے تھے اور دراز — کالی راتوں کو آئے جن پہ ناز

اس کی گردن تھی گردنِ مینا — پھول تھے اسکے عارضِ زیبا

دلکش و دلرُبا تھے اسکے انگ — تھا گلابی گلابی جن کا رنگ

نظر آزر کے آرہے تھے خواب — اس طرح اُس پہ چھا رہا تھا شباب

سرو جیسا وہ قامتِ رنگیں — فتنۂ حشر سے سوا تھا کہیں

سات رنگی لباس تھا پہنا — اس پہ آرائشوں کا کیا کہنا

ڈھیلا کرتا تھا تنگ پاجامہ — اور پاجامے پر تھا اک لہنگا

باندھے پتلی کمر میں تھی پٹکا — جو نگاہوں پہ قہر ڈھاتا تھا

زلفِ سرکش کرے نہ کچھ شوخی — اوڑھنی سر پہ باندھ رکھی تھی

سر سے پا تک کئے تھی سولہ سنگھار — حُسن پر آ گیا تھا جس سے نکھار

باندھ کر پاؤں میں حسین گھنگھرو — پہنچی اکبر کے سامنے مہرو

اذنِ اکبر پہ رقص کرنے لگی — جشن میں رنگِ کیف بھرنے لگی

رقص کر کر کے ایسا گاتی تھی — جادو محفل میں وہ جگاتی تھی

سحر تھی اس کی رس بھری آواز | گیت دیتے تھے اس کی لے پر ساز
اس کی پہلی نظر نے اپنا اثر | کر دیا تھا سلیم کے دل پر
خوش کیا اس نے سب کو گا گا کر | رقص پر اس کے جھوم اٹھا اکبر
رک گئی گھنگھروؤں کی جب جھنکار | بخشا اکبر نے "موتیوں کا ہار"
شاہ کو اس قدر لگی وہ بھلی | اس کو بخشا لقب "انار کلی"
باادب شاہ سے یہ بولا سلیم | عرض میری اگر کریں تسلیم
میں بھی انعام دوں یہ حسرت ہے | آپ کے حکم کی ضرورت ہے
شہ نے شہزادے سے کہا کہ ضرور | پھینکا شیخو نے ہار اس کے حضور
مسکرا کر اٹھا لیا اس نے | چوما، ماتھے لگا لیا اس نے
اس پہ عاشق ادھر ہوا تھا سلیم | اس طرف اس نے کر لیا تسلیم
آفریں کی صدائیں آتی تھیں | ہم نشیں اس پہ رشک کرتی تھیں

آنکھوں آنکھوں میں دل کی بات ہوئی
ربطہ باہم کی واردات ہوئی
حسن جب کر چکا یہ اپنا کام
اپنے گھر کو گئے خواص و عوام

"جشن کے بعد سے شہزادے سلیم کے عشق میں انار کلی کا حالِ زار"

ساقیا دے مجھے مئے گلنار | حسن کا لکھ رہا ہوں حالِ زار
جشن کے بعد سے "انار کلی" | عشق کے غم میں مثلِ شمع جلی

حال یوں ہو گیا تھا عشق میں زار — جیسے برسوں سے ہو کوئی بیمار
چہرہ غم سے ہوا تھا اس کا زرد — آئینے پر چڑھی ہو جیسے گرد
روز و شب وہ ملول رہتی تھی — چھُپ کے تنہائیوں میں روتی تھی
اس کو دل پر رہا نہ تھا قابو — عشق نے کر دیا تھا وہ جادو
حالتِ دل پہ آہ بھرتی تھی — اور کہتے ہوئے بھی ڈرتی تھی
سیرِ گلشن میں دل نہ لگتا تھا — پھُول اس کی نظر میں تھا کانٹا
بکھرے رہتے تھے دوش پر گیسو — جھلملاتے تھے آنکھ میں آنسو
اس طرح حالِ دل چھپاتی تھی — بس دِکھانے کو مُسکراتی تھی
روز و شب چاہتی تھی تنہائی — دِل میں رہتا تھا خوفِ رسوائی
جاگ کر وہ گزارتی تھی رات — دِن میں کرتی نہ تھی کسی سے بات
رنگ کیا دکھائے گا یہ حال — خود وہ اپنی نکالتی تھی "فال"
فال کہتی تھی "سوختہ اختر" — رحم اپنا کرے خدا تجھ پر

عشق یوں تجھ پہ مہرباں ہو گا
تو نہ ہو گی ترا نشاں ہو گا

خود سے کرتی تھی سیکڑوں باتیں — بے سکوں دن تھے بے سکوں راتیں
چاہتی عشرتِ وصال کبھی — آتا رسوائی کا خیال کبھی
ملنے لگتی تھی وہ کفِ افسوس — گویا دوزخ تھی عشق کی فردوس
کب سے اس چاند کو لگا تھا گہن — جانتی تھی یہ راز صرف بہن
ماں جو کہتی کہ کیسی ہو میری جاں — ہنس کے کہتی کہ ٹھیک ہوں اماں
پوچھتی ماں، ہو کس لئے گُم صُم؟ — وہ یہ کہتی کہ وہم میں ہو تم

مشورہ دیتی یہ اُسے مادر
گھر سے جایا بھی کر کبھی باہر

"بیگمیں" تجھ کو یاد کرتی ہیں
آجکل تیرا دم وہ بھرتی ہیں

ہر زباں پر ہے ایک تیرا نام
تو نہ کرتی ہے شکریہ، نہ سلام

ماں کی ہر بات پر تھی وہ خاموش
عشق میں اپنا تھا اُسے کب ہوش

اس کو سمجھا کے جب گئی مادر
اپنی حالت پہ رہ گئی ہنس کر

غم کی موجوں میں ڈولتی تھی وہ
اس لئے کم ہی بولتی تھی وہ

چاہتی تھی سلیم کو اس طور
"چاند کو چاہے جسطرح سے چکور"

دیدۂ و دل میں اسکی تھی تصویر
تھا وہی اس کے خواب کی تعبیر

وہ تھا بھونرا تو یہ "انارکلی"
وہ اگر پھول تھا یہ تھی تتلی

شمع یہ تھی تو وہ پتنگا تھا
دونوں کا حال ایک جیسا تھا

اپنے حجرے میں دن بتاتی تھی
گھر سے باہر نہ آتی جاتی تھی

بن گئی تھی وہ غم کی اک تصویر
حال جس کا نہ ہو سکے تحریر

ہر گھڑی محوِ یاس رہتی تھی
چپکی چپکی اُداس رہتی تھی

دلِ اسیرِ ملال تھا اس کا
کچھ نہ پوچھو جو حال تھا اس کا

مضطرب، دل فگار، آزردہ
پھول جیسے ہو کوئی افسردہ

"انارکلی" کی چھوٹی بہن ثریا سے شہزادے سلیم کی ملاقات اور انارکلی کا حال پوچھنا!

پھر فسانے میں رنگ بھرتا ہوں — اب ثریا کا ذکر کرتا ہوں
چھوٹی تھی نادرہ سے یہ گلفام — تھی ستارہ جبیں وہ گل اندام
کم سنی میں تھی شوخ اور چالاک — باتیں کرنے میں تھی بڑی بیباک
حالِ دل رُخ سے تاڑ لیتی تھی — بات ہوتی تھی لاجواب اس کی
جانتی تھی محل کی وہ باتیں — سازشیں، راز، نیت نئی گھاتیں
تھی بلند اس کی سوچ کی پرواز — کم سنی میں تھے پختہ سب انداز
باخبر تھی وہ سب کی چالوں سے — وہ نہ ڈرتی تھی مہوش چالوں سے
بات کرنے میں مسکرا دیتی — یہ ادا اور بھی مزہ دیتی
بے تکلف تھا اس سے شہزادہ — اس کی ہمشیرہ کا تھا دلدادہ
جانتی تھی سلیم کا وہ راز — قاصدہ، اُسکی تھی یہی ہمراز
دیکھ کر وہ بہن کا حالِ زار — اُسکو کرتی تھی جان و دل سے پیار
کہتی آپا اُداس کیوں ہو تم — رہتی کیوں ہو ہمیشہ یوں گم صُم ؟
نادرہ سن کے مسکراتی تھی — چھوٹی ہمشیرہ سے سمجھاتی تھی
کہتی یوں نادرہ سے وہ "آپا" — لو سناتی ہوں آج کا قصہ
اپنے ایوان سے جانبِ محلات — جارہے تھے "وہ" بختیار کے ساتھ
وہ سے مطلب ہے "صاحبِ عالم" — تم اگر پھول ہو تو وہ شبنم
راہ میں دیکھ کر مجھے رد کا، — کچھ جھجکتے ہوئے یہ پوچھا تھا

تیری آپا کا حال ہے کیسے ؟ — یوں چھپی ہیں کہ ہوں خفا جیسے
آتے جاتے اُنھیں نہیں دیکھا — کون جانے یہ ماجرا ہے کیا
تجھ سے کچھ اپنا حال کہتی ہیں — کس لئے وہ اُداس رہتی ہیں
کیا خراب ان کی کچھ طبیعت ہے — اتنی بدلی ہوئی جو حالت ہے
بولی ہیں ، آپ سے محبت ہے — اُن پہ یہ پیار کی عنایت ہے
جب انھیں عشق کا ہوا تھا یقیں — ہو گئے خوش چوم لی تھی میری جبیں
بولے ، میری بھی ہے یہی حالت — دونوں جانب ہے عشق کی کلفت
جانے کیا تھا کہ دیکھ کر ہر سو — اُن کی آنکھوں میں آ گئے آنسو

گفتگو کر کے خوش ہوئے تھے وہ
محل کی سمت پھر گئے تھے وہ

سُن کے یہ ماجرا "انارکلی" — اور بھی غم میں مثلِ شمع جلی
پھر بہن کو گلے سے لپٹا کر — اس سے تاکید کی تھی شرما کر
راز ، ہونے نہ پائے یہ افشا — ورنہ دشوار ہے مرا جینا
وہ ولی عہد اور میں ہوں کنیز — یعنی وہ اعلیٰ اور میں ناچیز
غنچے ارماں کے کھل نہیں سکتے — لاکھ ہم چاہیں مل نہیں سکتے
شاہ سمجھیں گے عشق کو سازش — ملکہ بننے کی سمجھیں گے خواہش
جس پہ وہ موت کی سزا دیں گے — زندہ دیوار میں دبا دیں گے

اس لئے راز میرا راز رہے
یعنی نغمہ رہینِ ساز رہے

"انارکلی" کے عشق میں شہزادے سلیم کا حالِ زار، اور اسکے بے تکلف دوست بختیار کی دل جوئی

محل کے سامنے تھا اک ایواں — شاہزادے کا تھا قیام جہاں
جس کے پہلو میں تھا مثمن برج — تھا یہ امن و سکوں کا مسکن برج
برج کے پیچھے سنگِ مرمر کا — اک بڑا سا چبوترہ بھی تھا
"راوی" بہتا تھا جسکے بائیں طرف — اک حسیں باغ بھی تھا دائیں طرف
باغ کے صحن میں تھی "بارہ دری" — آب جو، جس کے گرد بہتی تھی
نہر کے دو طرف تھے سرو کھڑے — جو کہ سرسبز بھی تھے اور گھنے
نہر میں جا بجا تھے فوارے — جو دکھاتے تھے آبی نظارے
نہر کا پانی صاف تھا اتنا — نظر آتا تھا مثلِ آئینہ
تھے جو ایواں کے روبرو محلات — قابلِ دید تھے وہاں دن رات
آسماں پر تھی شام کی سرخی — لگ رہی تھی ہر ایک شے دھندلی
رنگ، شب رنگ تھا درختوں کا — حال تھا غیر تیرہ بختوں کا
آشیانوں کو جا رہے تھے طیور — منزلوں سے تھے یہ مسافر دور

بدلے بدلے تھے وقت کے اب طور
دن کے منظر تھے شام کو کچھ اور

مہکی مہکی ہوئی تھی بادِ صبا — زینتِ تن تھی خوشبوؤں کی قبا
کچھ کنیزیں تھیں برج کے باہر — دف بجاتی تھیں گیت گا گا کر
برج میں سے سلیم دیکھتا تھا — راوی کی شام کا حسیں جلوہ

شام لگتی تھی میکدہ بردوش ۔۔۔ لیکن اس کو نہیں تھا اپنا ہوش
دُور گاتا تھا گیت اک مانجھی ۔۔۔ مضطرب تھا اِدھر سلیم کا جی
رنگ لائی تھی حُسن کی چاہت ۔۔۔ اس کو ہونے لگی تھی اب وحشت
روز و شب کھویا کھویا رہتا تھا ۔۔۔ خواب میں سویا سویا رہتا تھا
جستجو میں کسی کی تھا بے تاب ۔۔۔ اس کا ہمدرد کوئی تھا تو شراب
آرزو، اُس کی تھی "انارکلی" ۔۔۔ جو کہ لگتی تھی اس کے جی کو بھلی
جس کو وہ دِل سے پیار کرتا تھا ۔۔۔ جس کی فرقت میں آہ بھرتا تھا
عشق میں تھا اسی کے وہ مضطر ۔۔۔ دفعتاً اس کو کوئی آیا نظر
آنے والا تھا اس کا ایک ندیم ۔۔۔ جو سمجھتا تھا رازِ دردِ سلیم

اس نے پوچھا کہ کیوں ملول ہو آج
بدلا بدلا ہوا ہے رنگِ مزاج

"وہ" یہ بولا، ہے جستجوئے کنیز ۔۔۔ ایک اُسی کو چاہتے ناچیز
یہ تو مانا کہ ہوں میں شہزادہ ۔۔۔ کیا کروں، اُسکا ہوں میں دلدادہ
وہ مری جان ہے مرا دل ہے ۔۔۔ بھول جاؤں اُسے یہ مشکل ہے
دوست بولا کہ اے مرے جانی ۔۔۔ کیسے مانیں گے، ظلِ سبحانی
کون دے گا کنیز کو، عظمت ۔۔۔ اس سے جائیگی شاہ کی عزت
شاہ، رکھنے کو خاندانی آن ۔۔۔ لیکے چھوڑیں گے نادرہ کی جان
بات تم پر نہ کوئی آئے گی ۔۔۔ اُس بچاری کی جان جائیگی

بولا شیخو، یہ ہو نہیں سکتا
میں کبھی اس کو کھو نہیں سکتا

حُسن پر اس کے جان دیدوں گا
اس کو مُغلوں کی آن دیدوں گا

دوست نے ہر طرح سے سمجھایا
لیکن اس کی سمجھ میں کب آیا
دوست نے یوں اُڑائی اسکی ہنسی
تم کو دیدوں گا میں وہ انارکلی
بولا شہزادہ، کس طرح آخر
پھول اس نے دیا انار کا پھر
مسکرایا سلیم پر انجام
پسِ پردہ چھپی تھی دل آرام
نادرہ سے وہ دل میں جلتی تھی
اپنی قسمت پہ ناز کرتی تھی
ملکہ بننے کا دیکھتی تھی خواب
یعنی صحرا میں دیکھتی تھی گلاب
آگے قسمت کے، اسکی کچھ نہ چلی
راہ میں آگئی وہ انارکلی
نادرہ کے سبب سے دل آرام
اپنے مقصد میں ہو گئی ناکام
اپنی ناکامی پر کیا صدمہ
دل میں تھا انتقام کا جذبہ
ہم سے نادرہ کے، جلتی تھی
اپنی قسمت پہ ہاتھ ملتی تھی
چھپ کے تنہائیوں میں روتی تھی
اس طرح دل کا داغ دھوتی تھی
ذہن میں بنتی سازشوں کے جال
ظاہرا رہتی تھی بہت خوشحال

زیرِ لب سرد آہ بھرتی تھی
وقت کا انتظار کرتی تھی

شہزادہ سلیم اور بختیار کی رازدارانہ گفتگو کے درمیان شہنشاہ اکبر کا ایوانِ شاہی میں داخل ہونا اور شہزادے کی مزاج پُرسی کرنا:

شاہزادہ دونوں ہم کلام ابھی
کہ اچانک ہوئی کچھ آہٹ سی

دوڑتا آیا ایک خواجہ سرا ۔ اور شہزادے سے باادب بولا
آپ کا مرتبہ بڑھاتے ہیں ۔ آپ سے ملنے شاہ آتے ہیں
خیر مقدم کو باہر آیا سلیم ۔ تنہا ایوان میں رہ گیا وہ ندیم
دفعتاً در کا پھر ہلا پردہ ۔ ساتھ میں شاہ کے سلیم آیا
شاہ کہنے لگا کہ جانِ پدر ۔ رہتے ہو کیوں اداس سے اکثر
یہ بتاؤ تمہیں ہوا کیا ہے ۔ ہم بھی جانیں کہ ماجرا کیا ہے
تم نہ محلوں میں آتے جاتے ہو ۔ عیش و عشرت سے جی چراتے ہو
ماں کی ممتا ادھر تڑپتی ہے ۔ میری شفقت بھی کچھ اداس سی ہے

بولا شہزادہ میں ہوں شرمندہ
ایسا ہرگز نہ ہوگا آئندہ

میں ابھی ماں کے پاس جاتا ہوں ۔ ہیں وہ ناراض تو مناتا ہوں
اپنی کوتاہی کا اسے تھا غم ۔ اس لئے ہو گئی تھیں آنکھیں نم
جب محل سے چلا گیا اکبر ۔ خوش کیا اس نے ماں کو پھر جا کر
واپسی میں اسے ثریا ملی ۔ زیرِ لب اس نے دل کی بات کہی
بولی وہ، شب کو باغ جاتی ہیں ۔ چاندنی کا مزہ اٹھاتی ہیں
سن کے شہزادہ خوش ہوا دل میں ۔ کھل گئے پھول، غم کی محفل میں
تھا قیامت فراقِ یار اسے ۔ چاندنی کا تھا انتظار اسے
گنتا تھا انتظار کی گھڑیاں ۔ لمحے اس کے لئے بنے صدیاں
جیسے جیسے کہ دن گزرتا تھا ۔ ہجرِ جاناں میں آہ بھرتا تھا
کسی صورت نہ دل بہلتا تھا ۔ صحنِ ایوان میں وہ ٹہلتا تھا

وقت کٹتا نہ تھا کسی صورت
تھی تصور میں موہنی صورت
چاہتا تھا کہ جلد آئے رات
تا کہ پائے وہ رنج و غم سے نجات

پائیں باغ کی چاندنی رات میں شہزادہ سلیم اور انارکلی کی پہلی ملاقات اور "دل آرام" کا اس ملاقات سے راز آشنا ہونا!

ساقیا کر عطا مئے گلنار — جس سے چھائے سخنوری کا خمار
ذہن کھل جائے جس سے صورتِ گل — اور چہکے خیال کا بلبل
گل سخن کے نئے کھلاتا ہوں — یعنی بچھڑوں کو اب ملاتا ہوں
تھا حرم کے قریب پائیں باغ — تھا بڑا ہی عجیب پائیں باغ
باغ کے بیچ سنگِ مرمر کا — تین سیڑھی کا ایک حوض بھی تھا
جس میں چاروں طرف تھے فوارے — دل کو بھاتے تھے چمن کے نظارے
کہکشاں سے حسین راہیں تھیں — دیکھ کر جن کو خوش نگاہیں تھیں
راہوں میں تھے دو رویہ سرو کھڑے — دیو قامت محافظوں جیسے
ہر طرف لہلہا رہے تھے پھول — حسن و خوبی بڑھا رہے تھے پھول
چار نہریں بھی بہہ رہی تھیں وہاں — باغ لگتا تھا جن سے رشکِ جناں
چار قطعوں میں تھے پھلوں کے شجر — کرتی جن کی ہوا دماغ کو تر
ہو چھیلی تھی بڑی روپہلی شب — چاندنی اس پہ ڈھا رہی تھی غضب
حوض پر بیٹھی تھی ، انارکلی ، — لگ رہی تھی وہ چاندنی میں ڈھلی

اس کو تکتا تھا آسماں کا چاند — لیکن اس کا کہیں چھپا تھا چاند

تھے رواں رُخ پہ آنسوؤں کے تار

سسکیاں لے رہی تھی زار و نزار

خود سے دل میں وہ اس طرح کہتی — کاش شہزادے کو نہ دل دیتی

اس نے بھی کر کے عشق کا اظہار — اور چھینا ہے میرے دل کا قرار

اس کی فرقت کا رنج سہتی ہوں — روز و شب یوں اُداس رہتی ہوں

اپنے حالِ زبوں پہ روتی تھی — چاندنی میں گہر پروتی تھی

الغرض جب وہ حوض پر بیٹھی — شاہزادے کو یاد کرتی تھی

سامنے جھاڑی میں چھپا تھا سلیم — اس کی باتوں پہ ہنس رہا تھا سلیم

صید کے پیچھے آیا۔ "تیر انداز" — زیرِ لب دی شکار کو آواز

چونکی آواز پر 'انارکلی' — ہو گئی بدحواس ہو کے کھڑی

بولا شہزادہ "ہم سے ڈرتی ہو — سامنے ہے وہ جس پہ مرتی ہو

مجھ کو بھی ہو گیا ہے تم سے پیار

حال میرا بھی عشق میں ہے زار

ہر گھڑی تم کو یاد کرتا ہوں — دردِ فرقت سے آہ بھرتا ہوں

دل کے آئینہ کی ہو تم تصویر — ہو تمہیں میرے خواب کی تعبیر

قلبِ مضطر کی آرزو تم ہو — عشق کی میرے جستجو تم ہو

کیوں ہو خاموش لب تو کھولو تم — منتظر ہوں کہ مجھ سے بولو تم

گر ہو ناراض، تو میں جاتا ہوں — تنہا پھر تم کو چھوڑے جاتا ہوں

"وہ" یہ بولی میری اڑا کے ہنسی — چھین لی میری زندگی کی خوشی

ہیں کہاں آپ اور کہاں یہ کنیز
آپ "سورج" ہیں "ذرۂ ناچیز"

میں کہاں آپ کا خیال کہاں
میری یہ تاب یہ مجال کہاں

وہ یہ بولا کہ یہ حقیقت ہے
بخدا، تم سے ہی محبت ہے

تم مرے پیار کی کہانی ہو
میرے خوابوں کی تم ہی رانی ہو

عشقِ شینو کا جب بڑھا جذبہ
سرخ ہونٹوں کا لے لیا بوسہ

ملتے ہی لب سے لب لرز اٹھی
دوڑی مستی کی جسم میں بجلی

عشق کیا شے ہے یہ ہوا احساس
پیاسے ہونٹوں کی بجھ گئی تھی پیاس

اس نے سینے لگا لیا اس کو
عاشقی کا صلہ دیا اس کو

وہ بھی باہوں میں ہو گئی مدہوش
کیف و مستی میں کھو چکی تھی ہوش

اس کی پھولی ہوئی سی تھیں سانسیں
شرم سے اس کی بند تھیں آنکھیں

چونکی پا کر کسی کی وہ آہٹ
دور شہزادے سے ہوئی جھٹ پٹ

وہ یہ بولا ہوا کا جھونکا تھا
بس یونہی تم کو ہو گیا دھوکا

اس نے دیکھا کسی کا جب سایہ
کانپ اٹھی اور دل بھی گھبرایا

بولی شہزادے اب چلے جاؤ
وہ یہ بولا کہ اتنا بتلاؤ

مجھ سے ملتی رہو گی تم یونہی
یہ عنایت کرو گی تم یونہی

اس نے ملنے کا جب کیا وعدہ
ہوا رخصت وہاں سے شہزادہ

"پائیں باغ" سے شہزادے سلیم کے جانیکے بعد پھولدار جھاڑیوں کے پیچھے چھپی ہوئی "دل آرام" کا انارکلی کے پاس پہنچنا اور تلخ و طنزیہ لہجہ میں گفتگو کرنا، اور انارکلی کو تلاش کرتے ہوئے ثریا کا باغ میں پہنچنا، کچھ دیر بعد باغ میں پھر سلیم کا آنا!

سہمی سہمی ہوئی تھی وہ گلفام
پہنچی اس کے قریب "دل آرام"

جھاڑیوں میں چھپی کھڑی تھی وہ
دیکھ کر دونوں کو جلی تھی وہ

بولی، تم ہو یہاں "انارکلی"
یہ تو دیکھو کہ آدھی رات ڈھلی

کس سے کرتی تھیں پیار کی باتیں
کس کی قسمت میں یہ چاندنی راتیں

بولی وہ اس سے کوئی بھی تو نہیں
تنہا بیٹھی ہوئی تھی میں ہی یہیں

کڑوے لہجے میں بولی 'دل آرام'
کون ہے وہ میں جانتی ہوں نام

وقت پر نام بھی بتا دونگی
اس کا انجام بھی دکھا دونگی

گئی یہ بات کہہ کے 'دِل آرام'
ڈر گئی جس سے نادرہ گلفام

رشک سے اسکا دل ہوا تھا کباب
چھینے تھے نادرہ نے اسکے خواب

ملکہ بننے کی جستجو تھی اُسے
شاہزادے کی آرزو تھی اُسے

اُس کی باتوں سے اب 'انارکلی'
حوض پر بت بنی ہوئی تھی کھڑی

باغ میں پھر اُسے "ثریا" ملی
دیکھ کر اس کو ہنس لگی جو کھلی

بولی، تم تو یہاں پہ ہو آیا
تم کو میں نے ہر اک جگہ دیکھا

یہ بتاؤ کہ "وہ" ملے کہ نہیں — آرزوؤں کے گل کھلے کہ نہیں
نادرہ بولی، تونے ہی نادان — میری رسوائی کا کیا سامان
وہ یہ بولی، کہ کیا ہوا؟ "آپا" — کیا کسی نے تمہیں انہیں دیکھا؟
"نادرہ بولی، ہیں ہوئی ناکام — پا گئی رازِ وصل "دل آرام"
اور وہ راز افشا کر دے گی — شاہ و ملکہ کے کان بھر دیگی
شاہ و ملکہ کا مجھ پہ ہوگا عتاب — جس سے بن جائیگی حیات عذاب
اس سے بہتر یہ ہے کہ مر جاؤں — اور غم و رنج سے اماں پاؤں
سینے لگ کر ثریا رونے لگی — اور پھر نادرہ سے یوں بولی
رشتہ امید کا نہ توڑو تم — خودکشی کا خیال چھوڑو تم

رکھو اللہ پر بھروسہ بہن
وہ تمہاری مدد کرے گا بہن

باغ میں پھر سلیم لوٹ آیا — مجھ کو خدشہ یہی تھا وہ بولا
بولا رسوائی کا کرو مت غم — اپنی آنکھوں سے پونچھ دو شبنم
اتنی جرأت نہیں کہ 'دل آرام' — کر دے اس واقعہ کو طشت از بام
اس نے مجھ کو اگر دیا دھوکا — موت انجام اس کا بھی ہوگا
*نادرہ غم سے جب لگی رونے — اس کو سینے لگا لیا اس نے
تیز دونوں کی ہو گئیں سانسیں — تھیں زمیں پر ثریا کی آنکھیں
اسی عالم میں آئی 'دل آرام' — کر کے شیخو کو تین بار سلام
بولی: اے ارضِ ہند کے راجہ — ہو مبارک یہ جشن کی "ملکہ"
چونک کر ڈر گئی 'انارکلی' — ہو کے بے ہوش نیچے گرنے لگی

سُن کے اِس کی زبان سے یہ کلام — دیکھا شیخو نے سوئے دل آرام
طنز سے جو کہ مُسکراتی تھی — دو دلوں کی ہنسی اڑاتی تھی
اس کی جرأت پہ جل کے شہزادہ — مارنے مرنے پر تھا آمادہ
نادرہ سے کہا چلو پیاری — دل پہ اچھے اثر نہ لو کوئی
ہم دلِ آرام کو سمجھ لیں گے — اور مُنہ اس کا بند کر دیں گے

آنچ تم پر نہ آئے گی کوئی
زنگ یہ شب نہ لائے گی کوئی

شہزادے سلیم کی اپنے ہمراز دوست بختیار سے شبِ وصل کا راز دلآرام کو معلوم ہو جانے پر گفتگو اور دل آرام کو طلب کرنے پر ایوانِ سلیم میں دِل آرام کا داخل ہونا

صبح ہوتے، سلیم کا ایوان — پیش کرتا تھا دِل فریب سماں
کرنیں آتی تھیں کچھ جھروکوں سے — خوشبو آتی ہوا کے جھونکوں سے
پردے رہ رہ کے جن سے ہلتے تھے — سینے دیوار و در سے ملتے تھے
گیت گاتے تھے باغ میں طائر — جیسے سحر کرتے ہوں ساحر
پھول پہنے تھے خوشبوؤں کی قبا — باغ سے آ رہی تھی ٹھنڈی ہوا
کھویا کھویا سلیم بیٹھا تھا — چہرہ کہتا تھا شب کو جاگا تھا
بکھرے بکھرے تھے دوش پر گیسو — دیکھتا رہتا، دیکھتا جس سو
تھی شبِ وصل اس کی آنکھوں میں — نکہتِ زلفِ یار سانسوں میں
راز کھلنے کا تھا اُسے احساس — تھا پریشان و بے مزہ و اداس

خوفِ رسوائی کی تھی یہ وحشت
ہو گئی تھی عجیب سی حالت
یک بہ یک سامنے سے آیا اِدھر
اس کا اک دوست ایک چارہ گر
پاس آ کر کھڑا رہا چُپ چاپ
بُت کی مانند شیخو تھا چُپ چاپ
اس نے پوچھا کہ کیوں اُداس ہو تم
کس لیے غرقِ رنج و یاس ہو تم
بولا شہزادہ، ہو گیا یہ غضب
راس آئی نہ ہم کو وصل کی شب

واقفِ رازِ شب ہے دل آرام
جانے اب کیا ہو عشق کا انجام

چُھپ کے دونوں کو دیکھتی تھی وہ
باغ میں آ کے چُھپ گئی تھی وہ
ہم تھے شوقِ وصال میں مدہوش
دین و دنیا کا کچھ نہیں تھا ہوش
نادرہ کو ہوئی تھی کچھ آہٹ
دور گھبرا کے وہ گئی تھی ہٹ
میرے آنے کے بعد، دل آرام
نادرہ سے یہ کر رہی تھی کلام
ایک اِک بات سُن رہی تھی میں
جھاڑیوں میں چھپی ہوئی تھی میں
مجھ کو بھی ہو گیا تھا اس کا یقیں
باغ میں وہ چھپی ہوئی تھی کہیں
دوست بولا کہ واقعی ہے غضب
بڑے خطرے میں نادرہ ہے اب
گر شہنشاہ نے یہ راز سُنا
اور بن جائے گا نیا قصہ
آنچ تم پر نہ کوئی آئے گی
اُس بچاری کی جان جائیگی
بولا شہزادہ، ایک ہے ترکیب
بند کر دوں اگر زبانِ رقیب
اس کے دامن میں بھر دوں مال و زر
جس سے کھولے نہ راز وہ سب پر
لیکن اس پر بھی وہ نہ مانے گی
اس کی قیمت وہ اور مانگے گی

کب کسی شے کی فکر کرتی ہے
وہ بھی ظالم مجھی پہ مرتی ہے

راز کے بدلے چاہے گی مجھکو — یہ گوارا نہیں کبھی مجھکو
نادرہ سے میں پھر نہیں سکتا — اس سے زیادہ نہیں کوئی پیارا
دونوں آپس میں کر رہے تھے کلام — دور سے آ رہی تھی دل آرام
اس کو شہزادے نے بلایا تھا — راز افشا نہ ہو یہ کہتا تھا
اس کی آمد سے پہلے بولا سلیم — پیچھے پردے کے چھپ جا میرے ندیم
دیکھنا آج کیا وہ بولے گی — آج وہ دل کا راز کھولے گی
آئی پیشِ سلیم، دل آرام — کیا اس نے ادب سے اسکو سلام
کہا شہزادے نے کہ بات سنو — راز معلوم ہے مرا تمکو
قیمتِ راز چاہے جو لے لو — راز افشا نہ ہو کبھی دیکھو
کر کے ہمت یہ بولی دل آرام — مال و زر سے بھلا مجھے کیا کام
دل میں ہے آرزوئے شہزادہ — یعنی میں آپ کی ہوں دلدادہ

آپ کو دل سے پیار کرتی ہوں
کیا کروں آپ پر میں مرتی ہوں

میرے اس دل کی آرزو ہیں آپ — میری حسرت کی جستجو ہیں آپ
کاش باندی کو آپ کریں قبول — دیکھے صحرا میں کھل اٹھیں گے پھول
کہہ چکی جب وہ پیار کا قصہ — شاہزادے کو آگیا غصہ
بولا بدبخت یہ تری ہمت — ہم پہ مرتی ہے یہ تری جرأت
ملکہ بننے کا دیکھتی ہے خواب — طالبِ عشق دلوں سے ہے تیرا شباب

تیری چاہت کا خون کر دوں گا ‏ زیست میں رنگ یاس بھر دوں گا

دوست کو پیش کر کے اس نے کہا ‏ دیکھ لے یہ گواہ ہے میرا

بولا شہزادہ، دیکھ دل آرام ‏ تجھ پہ عائد ہے عشق کا الزام

شاہ کو اس کی جب خبر ہو گی ‏ زندگی تیری دار پر ہو گی

سن کے یہ بات دم ہوئی ترساں ‏ موت کے ڈر سے ہو گئی لرزاں

بولی ہر بات آپ کی منظور ‏ راز بس راز ہی رہیگا حضور

اپنی غلطی پہ ہاتھ ملنے لگی

لیکے رخصت وہاں سے چلنے لگی

بولا شہزادہ، بات یاد رہے ‏ فکر موت و حیات یاد رہے

چال پر خوش ہوئے بڑے دونوں ‏ اس کی حالت پہ ہنس پڑے دونوں

دل میں یہ سوچتی تھی دل آرام ‏ ان سے بدلا نہ لوں تو میرا نام

مل گیا مجھ کو بھی اگر موقعہ ‏ رنگ دکھلائے گا مرا دھوکہ

اور موقعہ بھی آ رہا ہے قریب ‏ جبمیں جاگے گا میرا سویا نصیب

"جشن نوروز" جلد ہی ہو گا ‏ جسمیں دینا ہے اک نیا دھوکا

وقت آنے پہ یہ بتا دوں گی

بازی کس کی ہوئی دکھا دوں گی

"جشن نوروز" پر شیش محل میں محفل رقص و سرود، اور رقص کے بعد شہنشاہ اکبر کے حکم پر حاکم زنداں کا "انارکلی" کو قید کر لینا!

میرے محبوب، شاقی گلفام ‏ دے دے ارغواں کا مجھ کو جام

جس کو پی کر کہوں نئے اشعار   جس سے مہکے سخن کا لالہ زار

جادو الفاظ کا جگاتا ہوں   "جشنِ نوروز" یوں مناتا ہوں

شاہ کا جشن تھا یہ سالانہ   دو دلوں کا بنا جو افسانہ

آج کے دن ہر ایک خاص و عام   قلعہ کی دیکھتا تھا رنگیں شام

ایسا لگتا تھا قلعۂ لاہور   جیسے اک خلد بن گئی ہو اور

جا بجا تھے بچھے ہوئے قالین   خوشنما، نرم، گدگدے، رنگین

رنگیں مخمل کے خوشنما پردے   در و دیوار پر تھے لٹکے ہوئے

روشنی دن کی ہوتی تھی محسوس   یوں فروزاں تھے جھاڑ اور فانوس

ہر طرف چل رہے تھے فوارے   جو دکھاتے تھے آبی نظارے

تھا قلعہ میں حسین شیش محل   جس میں کھلتے تھے روشنی کے کنول

تھے منقش سبھی در و دیوار   آئینوں کا نہیں تھا کوئی شمار

آئینوں کا عجب تھا یہ جادو   یعنی چہرہ دکھاتے تھے ہر سو

جا بجا باندیاں عصا بردار   بہرِ تعمیلِ حکم تھیں تیار

طشت رکھتی تھیں کچھ جواہر کے   جشن کے بعد بانٹنے کے لئے

ہر طرف شمعوں کے اجالے تھے   جن پہ پروانے صدقے ہوتے تھے

ہر جگہ خوشبوؤں کا عالم تھا   نور و نکہت کا ایک سنگم تھا

جگمگاتا تھا ایسے شیش محل
روشنی میں گیا ہو جیسے ڈھل

آمدِ شہ سے قبل دلِ آرام   کر رہی تھی فریب کا یہ کام

تختِ شاہی کے روبرو اس نے   قدِ آدم کچھ آئینے رکھے

تاکہ شہ دیکھے صورتیں سب کی / دیکھے نظروں میں حرکتیں سب کی

جتنے ایواں میں آئے اہلِ نظر / اُن کو اس چال کی نہیں تھی خبر

تختِ شیخو تھا اوٹ میں شہ کی / تاکہ پکڑی نہ جا سکے چوری

یہ بظاہر کرم تھا شیخو پر / تھا مگر اس کی تہہ میں فتنہ و شر

بولی ہمجولیوں سے دل آرام / کرنا میرے اشارے پر یہ کام

نادرہ مانگے رقص میں جب آب / دینا پانی کے بدلے اسکو شراب

اس میں کیا راز ہے بتا دونگی / تم کو خود آنکھ سے دکھا دونگی

وقت سے پہلے راز راز رہے / یعنی یہ نغمہ زیرِ ساز رہے

گفتگو کر رہی تھی بد اختر / "تخلیہ" شیخو نے کہا آ کر

پوچھا کب آئے گی انار کلی / وہ یہ بولی کہ آ رہی ہے ابھی

آج اس کو بھی رقص کرنا ہے / آج اہلِ نظر کو مرنا ہے

میں اسی کو بلانے جاتی ہوں / اپنے ہمراہ لے کے آتی ہوں

اتنا کہہ کر وہ چند گام چلی
راہ میں مل گئی "انار کلی"

دیکھ کر مسکرائی اس کا سنگھار / بولی لیتا ہے آج کس کا قرار

پیلی سونے میں موتیوں میں سفید / کیونکہ میں جانتی ہوں سارا بھید

رقص میں آج گائیو وہ غزل / حالِ دل سُن کے غیر جائیں جل

میں تری دوست ہوں رقیب نہیں / مانا۔ تجھ سا مرا نصیب نہیں

ظاہرہ باتیں یوں بناتی تھی / طنزیہ دل میں مسکراتی تھی

اتنے میں آیا ایک خواجہ سرا / بولا آتے ہیں سب کے ان داتا

شاہ و ملکہ وہاں پہ جب آئے　　اہلِ ایواں ادب بجا لائے
اہلِ ایواں سے شاہ کر کے رجوع　　بولا ہو جائے جشنِ رقص شروع

محفلِ رقص ہو گئی جاری
اِک سماں کیف کا ہُوا طاری

رقص میں تھیں کنیزیں یا پریاں　　ہلکے کپڑوں میں جسم تھے پنہاں
ہر کوئی اپنا فن دِکھاتی تھی　　دِل ہر اک شخص کا لُبھاتی تھی
رقص اپنا دِکھا چکیں جب سب　　تو کیا شہ نے نادرہ کو طلب
سر سے پا تک بنی تھی جو آفت　　ڈوبا آرائشوں میں تھا قامت
اک قیامت تھیں شرمگیں آنکھیں　　قہر و آفت تھیں شرمگیں آنکھیں
بکھرے بکھرے تھے دوش پر گیسو　　جن سے اڑتی تھی بزم میں خوشبو
سُرخ پہنے ہوئے تھی وہ کپڑے　　اہلِ محفل تھے اپنا دِل تھامے
یوں تھے مہندی سے سُرخ دست و پا　　جن پہ ہوتا تھا خون کا دھوکا
ناز سے اُٹھ کے حکمِ اکبر پر　　آئی مستانہ چال سے چل کر
رو برو شہ کے وہ ادب سے جھکی　　ساز بجتے ہی رقص کرنے لگی
رقص کی ہر ادا دکھاتی تھی　　ناز و انداز سے لُبھاتی تھی
گھنگھرو بجتے تھے پاؤں میں چھم چھم　　تال پر چل رہے تھے اس کے قدم
ناچی شیخو کے سامنے ایسا　　رو برو جیسے کرشن کے رادھا
اُس کے اِس رقص کی حقیقت پر　　چونک اٹھتا تھا بار بار اکبر

رقص کرتی تھی مورنی کی طرح
لگ رہی تھی وہ اک پری کی طرح

رقص جب وہ کر چکی وہ ماہ تمام　　شاہ بولا کہ سن اے گل اندام
چھیڑ اب تو کوئی حسین غزل　　رنگ محفل کا جس سے جائے بدل
اس نے کی حسب حکم شاہ کی تعظیم　　دیکھ کر مسکرائی سوئے سلیم
اس نے پینے کو مانگا تھوڑا آب　　جس کے بدلے میں اس نے پائی شراب
خوش تھی سازش پہ اپنی دل آرام　　ہونا تھا عشق نادرہ بدنام
کیف و مستی میں چھیڑی اس نے غزل　　جس پہ شیخو کا دل ہوا بے کل
اس سے ہر شعر پر مخاطب تھی　　دیکھ کر اس کو، مسکرا دیتی
نشے میں ہو گئی تھی وہ مدہوش　　اس کو اپنا نہیں تھا کچھ بھی ہوش
آنکھوں آنکھوں میں روکتا تھا سلیم　　ہر طرح اس کو ٹوکتا تھا سلیم
بڑھ گئی تھی شراب سے ہمت　　ورنہ اس کی کہاں تھی یہ جرأت
اس کی جرأت پہ شہ تھا بے قابو　　اس نے پالی تھی عشق کی خوشبو
نشے میں وہ غزل سرا تھی اُدھر　　شاہ غصے میں ہو رہا تھا اِدھر
شہ کی غصے میں سرخ آنکھیں تھیں　　دل تھا بے قابو، تیز سانسیں تھیں
شاہ کو دیکھ کر تھے سب حیراں　　"وہ" تھی آگے سلیم کے رقصاں
شاہ غصے میں ہو گیا تھا کھڑا　　اس کا کافور ہو گیا تھا نشہ
شاہ بولا" اے حاکم زنداں　　قید کر اس کو یہ ہے میرا فرماں

تیغ شیخو کی آرزو پہ چلی
قید کر لی گئی "انارکلی"

بے بسی سے وہ دیکھتا تھا اُسے　　شکوے تھے اُس کے لب پہ قسمت کے
عشق کرتا تھا اپنی تدبیریں　　اُس طرف وہ تھی اور زنجیریں

جب ہوا ختم جشن، رات ڈھلی — قید میں رو پڑی، انارکلی
سوچتی اصلیت ہے یا ہے خواب — یا یہاں لایا مجھ کو جامِ شراب
میں ہوں، زنداں ہے اور سناٹے ہیں — کل جو اپنے تھے اب پرائے ہیں
دیکھو اب کیا ہو عشق کا انجام — جانے کب زیست کا سفر ہو تمام
باتیں کر کر کے خود سے، روتی تھی — یوں یہ صبح و شام ہوتی تھی
اُلجھے اُلجھے تھے دوش پر گیسو — ذہن و دل پر نہیں تھا کچھ قابو
اُڑ گئی رنگ و روپ کی سُرخی — پڑ گئی رنج و غم سے وہ پیلی
غم نے اس کا بدل دیا چہرہ — ہر طرف بندشیں تھیں پہرہ تھا
دل میں لیتی تھی وہ سلیم کا نام — جس کے باعث ہوا تھا یہ انجام
اُس سے ملنے کی مانگتی تھی دُعا — اس کے دل میں تھا پاسِ رسمِ وفا
قید میں محوِ انتظار تھی وہ — مضطرب اور بے قرار تھی وہ

قید کی سختیاں اٹھاتی تھی
حرفِ شکوہ نہ لب پہ لاتی تھی

انارکلی کی گرفتاری کے بعد شہزادے سلیم کا مضطرب ہونا اور انارکلی سے قید میں ملاقات کرانے کے لئے حاکمِ زنداں کے پاس اپنے ہمراز دوست بختیار کو بھیجنا

ساقیا بھر دے پھر شراب سے جام — ذہن ہے میرا مثلِ تشنہ کام
تو ہی کر رہنمائی اے ساقی — مثنوی کی ہیں منزلیں باقی

پا بہ زنجیر کیا ہوا ہے قلم — بڑھ رہی ہیں کشاکشیں پیہم

قید جب سے ہوئی انارکلی — شاہزادے کو بے کلی تھی بڑی

سُونا سُونا سا اس کا ایواں تھا — قیدِ محبوبہ سے پریشاں تھا

اس نے ہر کوشش رہائی کی — نادرہ کے لئے دُہائی کی

جانے کیا دل میں شاہ نے جانا — التجاؤں پہ بھی نہیں مانا

ہر خوشامد بنی تھی اس کی یاس — ماں بھی سمجھانے آئی اس کے پاس

ماں نے ہر طرح اس کو سمجھایا — لیکن اس کی سمجھ میں کب آیا

اس کی آنکھوں میں آ گئے آنسو — ہوگئی مامتا سے بے قابو

بولی میں شاہ کو مناؤں گی
تیری محبوبہ کو چھڑاؤں گی

وہ یہ بولا کہ جستجو وہ ہے — قلبِ مضطر کی آرزو وہ ہے

اس کے بدلے میں لے لو تاج و تخت — اس کو دیکر کرو مجھے خوش بخت

دلی پہنچی تھی بادشاہ کے حضور — عرض کی بخشو نادرہ کا قصور

شاہ نے یہ کہا سنو، رانی — پوری ہوگی نہ اسکی مَن مانی

وہ ہے شہزادہ اور وہ ہے کنیز — ایک اعلیٰ ہے اور ایک ناچیز

ایک ذرّہ ہے آفتاب ہے ایک — اِک ستارہ ہے ماہتاب ہے ایک

اس طرح دونوں مل نہیں سکتے
غنچے ارماں کے کھل نہیں سکتے

ہند کی اک کنیز ہو... ملکہ — ہے یہ مغلوں کی شان پر دھبّہ

ہم اٹھائیں، کنیز کا احساں — اِس سے بہتر ہے لے لیں اسکی جاں

مانا اُس بن ہے وہ پریشاں حال
ہے مگر اپنی آبرو کا سوال

شاہ سے بولی پھر مہارانی
عرض اتنی ہے ظلِ سبحانی

ہم کو دنیا میں کب سدا رہنا
پورا شیخو کا کیجئے کہنا

کون ہم پر اُٹھائے گا اُنگلی
کِسکی ہمت ہے کس کی ہے ہستی

اس کی فرقت وہ سہہ نہیں سکتا
زندہ اس بن وہ رہ نہیں سکتا

ڈر ہے اُترے نہ وہ بغاوت پر
زور کس کا چلا محبت پر

جان دیدے گا اس پہ وہ ناشاد
وہ نہ ہوگا تو ہوں گے ہم برباد

اپنے حق میں یہی ہے بات بھلی
اس کو دیدیجئے انارکلی

شاہ بولا کہ یہ نہیں ہوگا
مہنگا اپنے لئے ہے یہ سودا

شاہ نے عرض جب نہیں مانی
ہو کے افسردہ چل پڑی رانی

ناامیدی کی جب ملی یہ خبر
چوٹ پہنچی سلیم کے دل پر

پاس بیٹھا ہوا تھا اسکا ندیم
اس سے بولا یہ اشک بھر کے سلیم

جلد جا پیش حاکمِ زندان
اس کو جا کر سُنا مرا فرمان

اُس سے ملنے کا راستہ کردے
میرا دامن مُراد سے بھر دے

راز یہ راز ہی میں رکھوں گا
مال و زر جتنا چاہے میں دوں گا

کہنا گر اس نے مجھکو سمجھا غیر
تو نہیں اس کے جان و مال کی خیر

دوست نے لاکھ اس کو سمجھایا
ذہن میں اس کے کچھ نہیں آیا

تب گیا دوست جانبِ زنداں
چاہتا تھا ملے جواب میں ہاں

وہ یہ بولا اے حاکمِ زنداں
پڑھ لے تو یہ سلیم کا فرماں

تھا یہ مضموں سلیم کے خط کا
دیکھ رکھنا بھرم مرے خط کا

ہے تری قید میں انارکلی — جس سے ملنے کی آرزو ہے بڑی
تجھ کو منھ مانگا مال و زر دوں گا — میں تجھے مالا مال کر دوں گا
مال و زر کا اُسے ہُوا لالچ — 'ہاں' کی تحریک بن گیا لالچ
وہ یہ بولا کہ شرط ہے منظور — کہنا میری بھی لاج رکھیں حضور

درِ تہہ خانہ آدھی رات ڈھلے
وا ملے گا حضور آئیں چلے

تھا اِدھر دل سلیم کا مضطر — دوست پہنچا جوابِ خط لے کر
بولا لایا ہوں جاں فزا پیغام — "جوئے شیریں" کی مثل تھا یہ کام
جانا زنداں میں آدھی رات ڈھلے — تاکہ اس راز کا پتہ نہ چلے
منتظر تھا سلیم آئے رات — صدیاں لگنے لگے اُسے لمحات
ہجرِ جاناں میں آہ بھرتا تھا — رات کا انتظار کرتا تھا
دن کے چھپتے ہی جبکہ آئی شام — اور تشنہ ہوا یہ تشنہ کام
بھیگی آنکھوں میں اسکی تھی تصویر — قید تھی اس کے خواب کی تعبیر
صحنِ ایواں میں وہ ٹہلتا تھا — کسی صورت نہ دل بہلتا تھا

دل میں تھا اِک ہجومِ رنج و ملال
دردِ فرقت سے تھا عجیب سا حال

آدھی رات کو زنداں میں تہہ خانے کے راستے جا کر سلیم کی انارکلی سے خفیہ ملاقات اور حاکمِ زنداں کے ذریعہ اِس ملاقات سے شہنشاہ اکبر کا واقف ہونا:

جب ہوئی ڈھلتے ڈھلتے آدھی شب — سوئے زنداں ہُوا روانہ تب

غنچۂ آرزو، لگا کھلنے
حسن سے عشق چل پڑا ملنے

سوئے زنداں چلا وہ دیوانہ
طے نہ ہوتی تھی راہِ تہہ خانہ

جیسے تیسے گیا سلیم وہاں
پا بہ زنجیر، نادرہ تھی جہاں

جب اندھیرے میں وہ نظر پڑی
زیرِ لب کہہ اٹھا، انارکلی

سنکے آواز عشق سے وہ چونکی
میرے شہزادے، تم یہاں، بولی

مجھ کو چھو کر مجھے دو اسکا جواب
یہ حقیقت ہے یا ہے کوئی خواب

وہ یہ بولا کہ واقعی میں ہوں
تو ہے لیلیٰ، تو میں ترا مجنوں

اپنی قسمت بناتے آیا ہوں
یعنی تجھ کو چھڑانے آیا ہوں

جوش میں اس کی کاٹیں زنجیریں
ذہن میں تھیں ہزار تدبیریں

پھر کے پہلو میں کھینچ کر تلوار
ساتھ لے جانے کو ہوا تیار

آ کے بولا یہ حاکمِ زنداں
میری خطرے میں آ گئی ہے جاں

جانے کیوں شاہ آ رہے ہیں ادھر
مجھ کو اس بات کی نہیں ہے خبر

نادرہ کو اگر نہ پائیں گے
میری گردن کو وہ اڑائیں گے

جان میری بچائیے سرکار
اس کو لے کر نہ جائیے سرکار

وعدہ کرتا ہوں پھر ملا دوں گا
میں کہیں آپ کو چھپا دوں گا

اس کی باتوں میں آ گیا شیخو
اک نیا دھوکا کھا گیا شیخو

باپ کے ڈر سے جب ہوا بیتاب
کہہ کے شربت پلائی اس کو شراب

جس کے نشے میں ہو گیا مدہوش
اس کو اپنا نہیں رہا کچھ ہوش

قید پھر ہو گئی انارکلی، جو شبِ غم میں مثلِ شمع جلی

شاہ ہرگز وہاں نہ آیا تھا۔ یہ داروغہ کا صرف دھوکا تھا

آدھی شب کو ہی حاکمِ زنداں پہنچا، تھی شہ کی خوابگاہ جہاں

وہ تھا عزمِ سلیم سے بے حال

شہ سے کہنا تھا یہ نیا احوال

خوابگاہ اکبری میں انارکلی کی رہائی کیلئے مہارانی جودھا کی شہنشاہ اکبر سے سفارش۔ دل آرام کی الزام تراشیاں، پہنچنا حاکمِ زنداں کا اور خفیہ راستے کے ذریعہ انارکلی سے شہزادے سلیم کی ملاقات کا حال بیان کرنا اور طیش و غضب میں آکر شہنشاہ اکبر کا انارکلی کو زندہ دیوار میں چننے کا حکم سنانا۔

شاہ سے کہہ رہی تھی یوں رانی، عرض ہے ایک ظلِ سبحانی

آپ کر دیں رہا، انارکلی، اپنے حق میں یہی ہے بات بھلی

اس سے شہزادہ پیار کرتا ہے، اس کی فرقت میں آہ بھرتا ہے

شاہ بولا کہ یہ نہیں اچھا، کوئی ناجنس پر نہیں مرتا

وہ ہے شہزادہ، نادرہ ہے کنیز، ایک اعلیٰ ہے اور اک ناچیز

میں اٹھاؤں کنیز کا احساں، اس سے بہتر ہے لیلوں اسکی جاں

بولی رانی کہ اس قیامت پر، شیخو اترے گا پھر بغاوت پر

شاہ بولا کہ اس کا خوف نہیں، فیل سے لڑتی بھی ہے چیونٹی کہیں

میں بغاوت پہ قابو پالوں گا، اور شیخو کو قید کر دوں گا

پردۂ عشق میں ہے اک سازش
زیر کرنے کی ہے مجھے خواہش

تم کو سُنواتا ہوں یہ قصہ تمام
حکم دو حاضر آئے دل آرام

جب وہ آئی تو شاہ نے پوچھا
سچ بتا کیا ہے دونوں کا قصہ

پہلے تو ڈر کے کچھ نہیں بولی
شہ کی سختی پہ یوں زباں کھولی

باغ میں شب کو دونوں ملتے تھے
گل نئی سازشوں کے کھلتے تھے

عاشق نادرہ تھا شہزادہ
'وہ' بغاوت پہ کرتی آمادہ

جز بغاوت کے جانتی تھی کنیز
مل نہیں سکتے اعلیٰ ادنا چیز

شیخو سمجھے نہ اُسکی یہ گھاتیں
وجہ سازش تھیں چاندنی راتیں

آپ سے ذکر یوں نہ کرتی تھی
جان میری نہ جائے ڈرتی تھی

راز میں اس لئے نہ کہتی تھی
دے چکے تھے وہ موت کی دھمکی

یہ بھی کہتے تھے سُن لے دل آرام
موت بن جائیگی ترا انجام

میں فسانے کو رنگ دوں گا نیا
تجھ پہ مرتی ہے تو یہ کہدوں گا

بات میں نے نہ جب تری مانی
تو نے یوں انتقام کی ٹھانی

مان لیں گے مہابلی مری بات
اور یوں ختم ہو گی تیری حیات

سُن کے یہ جھوٹا من گھڑت قصہ
غصہ آیا، بہت ہوا صدمہ

ایسی سازش پہ شاہ تھا حیراں
تبھی پہنچا تھا حاکمِ زنداں

شاہ کو کر کے تین بار سلام
قصۂ شب سنایا اُسنے تمام

بولا وہ، پہر ڈھلے گئے شیخو
رات زنداں میں آ گئے شیخو

رکھ کے سینے پہ دفعتاً تلوار	چابی زنداں کی لی کیا ناچار
پھر گئے، تھی جہاں انارکلی	مجھ پہ آفت عجیب آن پڑی
چاہتے تھے وہ اسکو لے جانا	بعد میں مجھ کو پڑتا پچھتانا
اُن سے میں نے چلی تھی اتنی چال	آپ کے آنے کا کہا احوال

وہ یہ بولے کہ اُن کو آنے دو
خیر چاہو تو مجھ کو جانے دو

میرے قول و قسم پہ کر کے یقیں	نادرہ کو انھوں نے چھوڑا وہیں
سُن کے زنداں کا یہ نیا قصہ	شاہ کو بے طرح جلال آیا
بولا گستاخ نے یہ ہمت کی	ابتداء ہو گئی بغاوت کی
شہ سے بولا یہ حاکم زنداں	اب مرے واسطے ہے کیا فرمان
حکم تھا جب سحر کے ہوں آثار	دابا جائے اُسے تہہِ دیوار
آئی اتنے میں نادرہ کی ماں	حکم یہ سُن کے ہو گئی لرزاں
روئی قدموں میں شاہ کے گر کر	بھیک بیٹی کی مانگتی مادر
اشک اس کے لئے بہاتی تھی	شاہ کے آگے گڑگڑاتی تھی
لیکن اکبر کھڑا رہا خاموش	اسکو غصے میں کچھ نہیں تھا ہوش

بولا خواجہ سراؤں سے اکبر
اس کو لے جاؤ قصر سے باہر

حکم جسکو بھی جیسا دیتا تھا	اس کو واپس کبھی نہ لیتا تھا
شاہ کے آگے رو پڑی رانی	التجا اس کی بھی نہیں مانی
غم و رنج و ملال کرتی تھی	موت پر اس کی آہ بھرتی تھی

قصر کی ہو گئی اُداس فضا — بال کھولے ہوئے تھی بادِ صبا

کھوئے کھوئے سے تھے در و دیوار — جانتا کون، ان کا حالِ زار

حُسن کی موت پر چمن کے پھول — خون روتے تھے دلمیں ہو کے ملول

حُسن کی زندگی تھی آدھی رات
صبح کر دے گی جیکی ختم حیات

وقتِ سحر انارکلی کو زنداں سے نکال کر دیوار میں چُننے کے لئے
حاکمِ زنداں کا پہرہ داروں کے ہمراہ شہر سے دُور لیجاتا

میرے ساقی، پلا مئے گلفام — لکھ رہا ہوں میں عشق کا انجام

راس آیا ہے کب کسی کو عشق — زہرِ قاتل ہے زندگی کو عشق

اس کے انجام کو اجل سمجھو — مشکلِ زیست کا یہ حل سمجھو

کم نہیں یہ بھی عشق کا احساں — زندہ رہتا ہے مر کے بھی انساں

اہلِ دل اس کی قدر کرتے ہیں — اس کی عظمت پہ لوگ مرتے ہیں

عشق کرتا ہے صرف ان پہ کرم — جان دے کر جو اس کا رکھیں بھرم

عشق سے جو قریب ہوتا ہے — وہ بڑا خوش نصیب ہوتا ہے

عشق جس شخص کا ہوا بدنام — سمجھو، اس کا ہوا فسانہ تمام

عشقِ شیریں میں مر گیا فرہاد — عشقِ لیلیٰ میں قیس تھا برباد

ہیر۔ رانجھا بنا رہی دلگیر — بن گئی دُنیا پاؤں کی زنجیر

قصہ ہے سوہنی کا درد بھرا — عشق دریا میں جسکو لے ڈوبا

عشق میں مر گئی جہاں آرا — جس کو مرزا کے عشق نے مارا

عشق کے اَن گنت فسانے ہیں
عشق کے سیکڑوں زمانے ہیں

باعثِ عشق، سوئے دار گئی ، عشق میں مبتلا، انارکلی
یوں سُناتا ہوں جسکا میں انجام ، موت کی شب تھی اور وہ گلفام
رات طے کر رہی تھی اپنا سفر ، جس کی ہے منزلِ مُراد سحر
آسماں پر ابھی تھے کچھ تارے ، ہلکے ہلکے تھے شب کے نظّارے
بھیگا بھیگا تھا اوس سے سبزہ ، مہکی مہکی ہوئی تھی بادِ صبا
کر رہے تھے سحر کا راز عیاں ، گھنٹے مندر کے، مسجدوں کی اذاں
چہرہ فطرت کا اس طرح تھا اداس ، آس کو جیسے مل گئی ہو یاس
تنہا زنداں میں تھی ' انارکلی ' ، پا بہ زنجیر تھی زمیں پہ پڑی
دِل کے تشویش سے وہ نہ سوئی تھی ، اس کے جانے پہ خوب روئی تھی
وصل کی شب نہ راس آئی تھی ، دِل کے قسمت میں پھر جدائی تھی
جسم زنجیروں سے ہُوا تھا چُور ، جاگنے سے نگاہیں تھیں مخمور

بھیگی آنکھوں میں بس سکی تھی تصویر
عشق کے خواب کی تھا جو تعبیر

دفعتاً پھر کُھلا درِ زنداں ، جسکے کھلنے پہ ہو گئی حیراں
سمجھی پھر آ گیا ہے شہزادہ ، اس کا محبوب، اس کا دِلدادہ
بولی کیا مجھ کو لینے آئے سلیم ، باندی کرتی ہے باادب تسلیم
یہ مگر دیکھ کر ہوئی حیراں ، مسکراتا تھا حاکمِ زنداں
ساتھ اس کے تھے کچھ سپاہی بھی ، وہ یہ بولے اٹھو، انارکلی

ان کو دیکھا تو وہ لرزنے لگی
خوف سے اس نے چیخ اک ماری

موت کی اس پہ چھا گئی ہیبت
گامزن سوئے دار تھی الفت

رنگ رُخ خوف سے ہوا تھا زرد
آئینے پر چڑھی ہوئی تھی گرد

بھیگی بھیگی ہوئی سی تھیں آنکھیں
ہوتی جاتی تھیں تیز تر سانسیں

یاس سے سوئے آسماں تکتی
اور کبھی سرد آہ بھرتی تھی

پڑ رہے تھے مرے مرے سے قدم
فاصلہ ہو رہا تھا موت کا کم

حسرتیں، آرزوئیں، غم، ارماں
چند لمحوں کے تھے سبھی مہماں

غم نہیں تھا اُسے زمانے کا
غم تھا ناکامی کے فسانے کا

زیرِ لب کچھ وہ کہتی جاتی تھی
پاؤں بوجھل تھے لڑکھڑاتی تھی

ملنے والی تھی عشق کو منزل
کشتیِ زیست تھی سرِ ساحل

شہر سے دُور اک تھا ویرانہ
جو بنا نادرہ کا کاشانہ

پا گئی عشق سے شفا بیمار
کر دیا اس کو زینتِ دیوار

اس کے چاروں طرف چُنے پتھر
شاہ کی عقل پر پڑے پتھر

چھین کر خوش تھا اکبرِ بدخو
عشق کے گُل سے حُسن کی خوشبو

اس کو رخصت کیا ہواؤں نے
اس کا ماتم کیا فضاؤں نے

گڑ گئے دیوار میں انارکلی
بُت کی صورت تھی پتھروں میں کھڑی

گونجی آوازِ عشق کی ہر سُو
اس طرح مر کے جی گئی اب تو

قبر پر تیری رات کو شبنم
روز چھڑکا کرے گی اشکِ غم

بھول سکتا نہیں تجھے لاہور
تا قیامت رہے گا تیرا دَور

ذکر تیرا زباں زباں ہو گا
قابلِ دید یہ نشاں ہو گا

قدر تیری کریں گے اہلِ نظر
اہلِ دل گل چڑھائیں گے تجھ پر

آسمانوں میں گونج کر آواز
اپنے مرکز کو کر گئی پرواز

ہو گیا عشق کا فسانہ تمام
کر گئی نادرہ جہاں کو سلام

شہزادہ سلیم اپنے ایواں میں عالمِ مدہوشی میں۔ اپنے ہمراز دوست بختیار سے انارکلی کی موت کی خبر پانا۔ داخل ہونا ثریا کا سلیم کے ہاتھوں دل آرام کی موت کی خبر پا کر شہنشاہ اکبر اور مہارانی جودھا بائی کا ایوانِ سلیم میں پہنچنا اور شہزادے کی دلجوئی کرنا

اپنے ایواں میں تھا سلیم خموش
اس کو کچھ بھی نہیں تھا اپنا ہوش

ذہن و دل پر شراب کا تھا اثر
مرگِ محبوبہ کی نہیں تھی خبر

بند آنکھیں تھیں تخت پر تھا پڑا
چھایا تھا فکر و ذہن پر نشہ

اس کا عالم یہ ہو رہا تھا اِدھر
کچھ نہ تھی اس کو نادرہ کی

یہ تھا مدہوش تخت کے اوپر
موت کی نیند سو گئی وہ اُدھر

صبح کے ساتھ ساتھ دن جو چڑھا
رفتہ رفتہ اُسے بھی ہوش آیا

بُرج کی جالیوں سے آئی دھوپ
پاس اس کے، لئے شہزادہ دپ

خود کو ایواں میں دیکھ کر چونکا
آنکھیں مل مل کے ہر طرف دیکھا

اپنے ایواں میں خود کو جب پایا
سوچا، زنداں سے کس طرح آیا

ساتھ اس کے تو تھی انارکلی
کیسے دن نکلا، کیسے رات ڈھلی

آیا اس کو خیال شربت کا ۔۔۔ جام تھا وہ فریب و فطرت کا
کہہ کے شربت اُسے پلائی شراب ۔۔۔ جسکو پی کر ہُوا تھا مست و خراب
آنکھیں مل کے جو اٹھنا چاہا تھا ۔۔۔ چل نہ پایا تھا لڑکھڑایا تھا
وقت کے ساتھ جب گھٹا تھا سرور ۔۔۔ بند کمرے نے کر دیا مجبور
ہجرِ جاناں میں ہوتی تھی وحشت ۔۔۔ خالی آنکھوں سے تک رہا تھا چھت
پسِ پردہ کھڑی تھی دل آرام ۔۔۔ زیرِ لب کہہ رہی تھی وہ ناکام
تو تو غفلت میں سو رہا ہے یہاں ۔۔۔ موت کی نیند سو گئی وہ وہاں
مرتے دم تک تھا انتظار ترا ۔۔۔ جاگا چیخوں سے بھی نہ پیار ترا
دل میں کہتی تھی میرا کیا ہے قصور ۔۔۔ اپنی قسمت سے ہیں سبھی مجبور
یوں ہی انجام عشق ہونا تھا ۔۔۔ اپنی قسمت پہ تجھکو رونا تھا
جُوں ہی بدلی سلیم نے کروٹ ۔۔۔ بھاگی ایوان سے تھی جھٹ پٹ
اس نے جب اُس کو مڑ کے دیکھا تھا ۔۔۔ آنکھیں مینچے سلیم لیٹا تھا
پھر اسی سمت لوٹ آئی وہ ۔۔۔ اس کی حالت پہ مسکرائی وہ

میت کی صورت خموش تھی وہ کھڑی
دل ہی دل میں وہ اس طرح بولی

جاگ کر کیا کرو گے شہزادے ۔۔۔ اب تو آہیں بھرو گے شہزادے
جب تمہیں موت کی خبر ہو گی ۔۔۔ جانبِ آسماں نظر ہو گی
اپنی چاہت پہ رو پڑو گے تم ۔۔۔ آرزو موت کی کرو گے تم
اُٹھ کے مسند پہ شیخو جب بیٹھا ۔۔۔ درد میں سر کو تھام رکھا تھا
دل میں دوہرایا رات کا قصہ ۔۔۔ یاد آیا دروغہ کا دھوکا

آئی آنکھوں میں نادرہ گلفام — جو محبت میں ہو گئی ناکام
بولا یہ تھا تمام منصوبہ — چھین لی مجھ سے میری محبوبہ
شہ کی سازش پہ آگیا غصہ — دل میں تھا انتقام کا جذبہ

عشق کا جوش یوں مچلتا تھا
تخت پر کروٹیں بدلتا تھا

جوش میں ڈھونڈتا تھا وہ تلوار — جب نہ پائی تو ہو گیا لاچار
درِ ایواں کی سمت جب بھاگا — در پہ اس کو سپاہ نے روکا
بولے شیخو سے باادب جھک کر — اب یہاں سے نہ جائیے باہر
یہ ہے فرمانِ ظلِ سبحانی — آپ کے سر سے اونچا ہے پانی
یعنی ہر در ہے بند، پہرہ ہے — ظلم کا ہر طرف اندھیرا ہے
خود کو محسوس جب کیا قیدی — بے بسی پر بھر آیا اس کا جی
دفعتاً بختیار آ نکلا — اس سے شیخو نے ماجرا پوچھا
کیا وہ زندہ ہے یہ بتاؤ تم — دوست اتنا تو مت ستاؤ تم
دوست تھا اس سوال پر خاموش — خامشی پر اڑے سلیم کے ہوش

بولا خاموشی پہ ہے تیری گماں
لے لی بابا نے نادرہ کی جاں

موت جب اس کی یاد کرتا تھا — ہاتھ ملتا تھا، آہ بھرتا تھا
رو کے بولا کہ میں ہوں زندہ یہاں — چن دیا اس کو پتھروں میں وہاں
جرمِ الفت کی پائے موت سزا — کر دیا آج مجھ سے اس کو جدا
مر کے الفت میں وہ ہوئی زندہ — میں ہوں اس کی وفا سے شرمندہ

ہوش کے ساتھ بڑھ گئی وحشت — سازشِ شہ سے ہو گئی نفرت

موت کا اس کی اتنا تھا صدمہ — ذہن و دل پر نہیں رہا قبضہ

بن گیا رنج و یاس کی تصویر
چھن گئی اس کے خواب کی تعبیر

سوچتا تھا کہ جان سے جاؤں میں — مر کے ممکن ہے اس کو پاؤں میں

اس کی فرقت میں جی نہیں سکتا — زخمِ دل کا یہ سی نہیں سکتا

منتظر وہ بھی خلد میں ہو گی — کیوں نہ جوگن سے جا ملے جوگی

دوست کرتا تھا لاکھ دل جوئی — جب نہ مانے تو کیا کرے کوئی

رنگ لایا تھا عشق کا جذبہ — اس کی وحشت کو آ گیا غصہ

بولا باہر قلعہ سے جاتا ہوں — پتھروں میں سے اس کو لاتا ہوں

دشمنِ عشق کو سزا دوں گا — اینٹ سے اینٹ میں بجا دوں گا

جوشِ الفت میں آ گیا تھا وہ
اپنے ایواں سے چل پڑا تھا وہ

کہ ثریا ہوئی وہاں داخل، — غمزدہ تھی وہ دید کے قابل

دیکھ کر جس کو رو پڑا تھا سلیم — کیوں ہے خاموش کہہ اٹھا تھا سلیم

بولی نفرت سے وہ "ارے بدخو — موت سے اس کی بے خبر ہے تو

گرد اس کے چنی گئی دیوار — اس کی چیخوں سے تو رہا بیزار

وہ بنا دی گئی بُت بے جاں — خاک میں اس کے مل گئے ارماں

اس پہ اکبر کا چل گیا جادو — چھین لی جس نے پھول کی خوشبو

تو مگر دیکھتا رہا بزدل — ہے مری گلبدن کا تو قاتل

بھول بیٹھا تو عشق کا وعدہ — ساتھ مرنے کا کیا ہوا وعدہ

کل تو بنتا تھا باوفا ظالم — آج کیا تجھکو ہو گیا ظالم

قول تو نے کسی کے سچ یہ کئے — کون مرتا ہے دوسروں کیلئے

مرد ہوتے ہیں بے وفا سچ ہے — یہ غلط ہے تو اور کیا سچ ہے

عشق میں تیرے جان دی اُسنے — مر گئی لیکن اُف نہ کی اُس نے

مر گئی وہ مگر ہے تو زندہ — اب کیا ہوتا ہے گر ہو شرمندہ

بے وفا تو وفا کو کیا سمجھے

ہاں مگر آپ تجھے خدا سمجھے

طعنے اور کوسنے لگی دینے — تجھ میں جو آیا وہ لگی کہنے

کہہ اٹھا بختیار، اے لڑکی — کر نہ اب اور آگے گستاخی

بولا شہزادہ، اس کو کہنے دو — روکو دریا نہ غم کا بہنے دو

اس کے طعنوں کو سُنکے بولا سلیم — کیا خبر تھی ملے گا غم یہ عظیم

موت اس کو، مجھے دیا دھوکا — قید کر کے مجھے یہاں روکا

موت سے بھی میں چھین لیتا اُسے — بخدا، یہ پتہ نہیں تھا مجھے

دل کا غم کیسے تجھ کو دکھلاؤں — کاش اس وقت میں بھی مر جاؤں

مرد سب بے وفا نہیں ہوتے — دیکھ ہم خون دل نہیں روتے

زندہ لاشہ ہوں اُسکے غم سے میں

خون روتا ہوں چشم نم سے میں

اس نے کھینچا وہ موت کا نقشہ — جس کو سُن کے سلیم تھرّایا

پردوں کو نوچنے لگا ناکام — نکلی پردوں کے پیچھے دل آرام

پہلے سمجھا اُس نے 'انارکلی'
اور جب اس نے اپنی آنکھ ملی

دیکھا یہ تو ہے نادرہ کی رقیب
موت سے تھا قریب جس کا نصیب

تب ثریا نے یہ سُلگتے سخن
آپ دونوں کی تھی یہی دشمن

بخشا شیخو نے دشمنی کا صلہ
گلا ہاتھوں سے اُسکا گھونٹ دیا

اس سے یہ انتقام لے کے ہنسا
جسم بے جاں بنی تھی ماہ لقا

پا کے شیخو کے اس جنوں کی خبر
دوڑ کر آیا اس طرف اکبر

شاہ بولا کہ بات کیا ہے سلیم
یہ جنوں کیوں تمہیں ہُوا ہے سلیم

شاہ زادہ مگر رہا خاموش
اس کو اپنا نہیں تھا کچھ بھی ہوش

بولا شہ باپ سے ہوئے ناراض
میرے کس پاپ سے ہوئے ناراض

بولا شہزادہ، پتھر دل میں چبھی
آپ نے کیوں مری انارکلی

آپ اک شاہ ہیں نہیں ہیں پدر
بخدا آپ کا نہیں میں پسر

آپ سے ہو گئی مجھے نفرت
آپ نے چھین لی مری اُلفت

اپنی سازش کا پا گئی انعام
وہ پڑی ہے زمیں پہ دل آرام،

وہ تو خود مجھ سے عشق کرتی تھی
جسکے اظہار سے وہ ڈرتی تھی

میں نے جب کر دیا اُسے ناکام
نادرہ کو، مجھے کیا بدنام!

آپ سے کہہ کے اس کو مروایا
زندہ اینٹوں میں اس کو گڑوایا

اور وہ غدار حاکم زنداں
مکر ہے اس کی چال پر حیراں

چھوڑنے پر ہوا تھا وہ راضی
مال و زر کے عوض انارکلی!

لیکن اس نے مجھے دیا دھوکا
آپ سے اس کا کر لیا سودا

یعنی تھے آپ مجھ سے زیادہ امیر — اسلئے مجھ سے چھن گئی وہ اسیر

شاہ نے جس گھڑی یہ سمجھا راز
ہوش اکبر کے گر گئے پرواز

شاہ بولا، اُسے سزا دوں گا — سُولی بدبخت کو چڑھا دوں گا

بولا شہزادہ اب ہے سب بیکار — مجھ سے جب چھن گیا ہے میرا پیار

اتنا اب کیجئے کرم مجھ پر — مجھ کو لا دیجئے کوئی خنجر

جی نہیں سکتا اس کی فرقت میں — تنہا بے چین ہے وہ جنت میں

اس کی وحشت پہ رو پڑا اکبر — بولا بیٹا گلے سے لگ آ کر

میں ہوں مجرم یہ کہہ اٹھا اکبر — میرے سینے میں بھونک دے خنجر

شاہ ہوں بعد میں، ہوں پہلے پدر
مجھ کو اب تو معاف کردے پسر

میں تری دلربا کا قاتل ہوں — لیکن اپنے کئے پہ قائل ہوں

ہے مرے بعد راج تیرے لئے — ہند کا تخت و تاج تیرے لئے

میں نے رکھنے کو خاندانی آن — اُس بچاری کو کر دیا قربان

مجھ کو کر دے معاف اسکا خون — میرے شہزادے اے مرے مجنون

شاہ سے جب نہ بولا کچھ شیخو — چل پڑا ابھر کے آنکھ میں آنسو

اتنے میں آ گئی مہارانی — بولی، اب صبر کر مرے جانی

نہ سہی آج زندہ، وہ ناکام
زندہ اس کا مگر رہے گا نام

بھول سکتا نہیں اُسے لاہور — قدر اس کی کریگا ہر اک دور

عشق کا آستاں ہے وہ دیوار — دفن ہے جسمیں تیرے دلکا قرار
ہر زباں پر رہے گا اُسکا نام — مر کے زندہ ہوئی ہے وہ گلفام
ماسوا صبر کے نہیں چارا — اپنی قسمت سے ہر کوئی ہارا
اس کو جھوٹی تسلیاں دے کر — محل کی سمت چل پڑی مادر
شیخو ملتا رہا کفِ افسوس — عشق پر اسکے پڑ گئی تھی اوس
جب کبھی اس کی یاد آتی تھی — ذہن میں برق کوند جاتی تھی

اس کے غم میں شراب پیتا تھا
ہجر جاناں میں مر کے جیتا تھا

شہزادے سلیم کے دل سے انارکلی کی موت کا غم ختم ہو جانیکے بعد شہنشاہ اکبر کے ہاتھوں شہزادے کی رسم تاجپوشی۔ تاجپوشی کے بعد سلیم کا انارکلی کی قبر پر پہنچنا اور مقبرہ تعمیر کرانے کیلئے حکم صادر کرنا اور "مثنوی انارکلی" کا خاتمہ ہونا

میرے ساقی پلا مئے گلفام — مثنوی کو میں کر رہا ہوں تمام
بھول بیٹھا تھا "نادرہ" کو سلیم — وقت کا تھا یہ اس پہ لطفِ عمیم
دل میں رہتا نہیں ہمیشہ غم! — زخم بھرتا ہے ایک دن مرہم
بدلا اکبر نے جب "اُسے" دیکھا — سوچا، اچھا ہے اب یہی موقعہ
ظلم کی اپنے پردہ پوشی کی — شاہ نے "اس کی" تاجپوشی کی
شاہ نے بخشا جبکہ تاج و تخت — یاد آئی تھی "اُسکو" وہ بدبخت

قبر محبوب پہ گیا دلگیر | جس پہ کروایا مقبرہ تعمیر
جس کی تاریخ سولہ سو پندرہ ۱۶۱۵ | ہوئی لوح مزار پہ کندہ

تاکہ دنیا میں یادگار رہے
نام اُلفت کا برقرار رہے

میں کبھی جب اُسکے آستاں پہ گیا | اس کو چشم خیال سے دیکھا
اُسکی تربت پہ کچھ چڑھا گئے پھول | آ گئیتے پہ اس کے دل تھا ملول
سوچا، یہ قصہ پھر نیا کردوں | کیوں نہ اُسپر میں مثنوی لکھ دوں
سوچ کر یہ دکھایا اپنا فن | مثنوی بھی ہے ایک صنفِ سخن
گرچہ مشکل ہے مثنوی کا کام | ہے مگر شاعری میں خاص مقام
کس کو فرصت ہے اب زمانے میں | جو بکھیرے رنگ اِس فسانے میں
اس سے بچتے ہیں شاعرانِ جلیل | ہے ہر اک صنف مختصر، یہ طویل
اس پہ کرتے ہیں سب کڑی تنقید | اس کی تحسین ہے نہ ہے تائید
قوم اپنی عمل سے خالی ہے | عیب جوئی کی خو بنالی ہے
اہلِ فن ہیں شکار رشک و حسد | جبکہ بونوں کا ہے تو دُوں کا قد
ذہن ہی ان کے پاس ہے نہ شعور | تفرقہ بازیوں میں ہیں مشہور
ہاں مگر علم کا علم بردار | ان سے ڈرتا نہیں کبھی زنہار
اپنے مطلب کا کام کرتا ہے | اور دُنیا میں نام کرتا ہے

میرے خامے نے مثنوی لکھ کر
اپنا انعام پالیا ہے ظفر

صرف کیں ان پہ ان گنت راتیں | چاند تاروں سے کیں کبھی باتیں

ڈھونڈے ایسے نئے نئے مضموں
سننے والوں پہ جو کریں افسوں

کیسی شیریں زباں ہے اردو زباں
اتنی مقبول کوئی اور کہاں

اس کے الفاظ قیمتی گوہر
اس کے آئینے میں ضیا جوہر

حال بد اس کا جب کیا محسوس
دل ہوا سوگوار اور مایوس

دکھ سے جو فائدہ اٹھاتے ہیں
اس کو نیچا وہی دکھاتے ہیں

دکھ سے کچھ خود نمائی کرتے ہیں
چند ایسے کمائی کرتے ہیں

کچھ ہیں اس کے وقار سے محروم
کچھ کو اس کا مزہ نہیں معلوم

اس کے حق میں دعائیں کرتا ہوں
نام سے اس کے پیار کرتا ہوں

یہی کرتا رہوں گا میں خدمت
دل سے اس کی نہ جائیگی چاہت

اور اب ختم کر کے افسانہ
دے رہا ہوں جہاں کو نذرانہ

ختم شد